

زگس نے اطمینان سے جواب دیا۔ میں آپ کے آنے تک ان اُونچے اُونچے مکانوں کو گنتی رہوں گی۔

نعیم کو کچھ دیر قصر خلافت کے دروازے پر ٹھہرنا پڑا۔ بالآخر دربان کے اشارے سے وہ دربار خلافت میں حاضر ہوا اور خلیفہ کو سلام کر کے ادب سے کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ کے دائیں اور بائیں جانب چند معززین بیٹھے تھے۔ لیکن نعیم نے کسی کی طرف دھیان نہ کیا۔ خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کے چہرے پر کچھ ایسا جلال تھا کہ بہادر سے بہادر لوگ بھاس سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی جرات نہ کرتے تھے۔

خلیفہ نے نعیم کی طرف دیکھا اور سوال کیا۔ تم ترکستان سے آئے ہو؟

ہاں امیر المومنین
تمہیں قتیبہ نے بھیجا ہے؟

نعیم اس سوال پر حیران ہوا۔ امیر المومنین! میں اپنی مرضی سے آیا ہوں۔ اُس نے جواب دیا۔

کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟

امیر المومنین! میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنے کے لیے آیا ہوں کہ قتیبہ آپ کا ایک وفادار سپاہی ہے۔ آپ کو شاید اس کے متعلق بھی محمد بن قاسم کی طرح کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔

سلیمان یہ سن کر کرسی سے ذرا اُپر اُٹھا اور غصے میں اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے پھر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ تم جانتے ہو! خلیفہ نے اپنا لہجہ بدلتے ہوئے کہا۔ میں تمہارے

جیسے گستاخ لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا کرتا ہوں؟

دربارِ خلافت میں سے ایک شخص نے اُٹھ کر کہا۔ امیر المومنین! یہ محمد بن قاسم کا پُرانا دوست ہے۔ اسے دربارِ خلافت کی نسبت اس ملعون نسل میں زیادہ عقیدت ہے۔

نعیم نے نہ کر بولنے والے کی طرف دیکھا اور مبہوت ہو کر رہ گیا۔ ابنِ صادق تھا۔ اس نے نعیم کی طرف حقارت آمیز مسکراہٹ سے دیکھا۔ نعیم نے محسوس کیا کہ اڑدہا ایک بار پھر منہ کھولے کھڑا ہے۔ اس دفعہ اس اڑدہے کے دانت پہلے سے زیادہ تیز نظر آتے تھے۔ نعیم نے ابنِ صادق کی طرف سے نظر ہٹا کر سلیمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ آپ کے عتاب کا ڈر مجھے اظہارِ صداقت سے نہیں روک سکتا۔ محمد بن قاسم جیسے بہادر سپاہی عرب کی مائیں بار بار نہیں جنیں گی۔ ہاں ہو میرا دوست تھا لیکن مجھ سے زیادہ آپ کو دوست تھا۔ مگر آپ نے اسے سمجھنے میں غلطی کی۔ آپ نے حجاج کا انتقام اس کے بے گناہ بھتیجے سے لیا۔ اب آپ ابنِ صادق جیسے ذلیل انسانوں کی باتوں میں آ کر قتیبہ بن مسلم کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ امیر المومنین! آپ مسلمانوں کے مستقبل کو خطرے میں ڈال رہے ہیں اور صرف مسلمانوں کے مستقبل ہی کو نہیں بلکہ آپ کو ایک زبردست خطرہ بھی مول لے رہے ہیں۔ یہ شخص اسلام کا پُرانا دشمن ہے۔ اس سے بچنے کی کوشش کیجئے۔

خاموش! خلیفہ نے نعیم کی طرف قہر آلود نگاہ ڈالتے ہوئے تالی بجائی۔ ایک کوتوال اور چند سپاہی ننگی تلواریں لیے ہوئے نمودار ہوئے۔

نوجوان۔ مجھے قتیبہ سے زیادہ محمد بن قاسم کے دوستوں کی تلاش تھی۔ بہت

اچھا ہوا تم خود ہی آگئے۔ اسے لے جاؤ اور اچھی طرح اس کی نگرانی کرو!

سپاہی ننھی تلواروں کے پہرے میں نعیم کو باہر لے گئے۔ دروازے پر چند سپاہی کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ نعیم کو حراست میں دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ نعیم ان کی طرف دیکھ کر رُکا۔ تم فوراً واپس چلے جاؤ۔ برک سے کہا کہ وہ نرگس کے پاس رہے اور قہیہ کو میری طرف سے کہا کہ وہ بغاوت نہ کرے۔

کوٹوال نے کہا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپ کو زیادہ دیر تک باتیں کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

بہت اچھا۔ نعیم نے کوٹوال کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا اور آگے چل دیا۔

اژدہا شیروں کے زرخے میں

سلیمان مسندِ خلافت پر رونق افروز تھا۔ اس کے چہرے پر تفکرات کے گہرے اثرات تھے۔ اس نے ابنِ صادق کی طرف دیکھا اور کہا۔ ابھی تک ترکستان سے کوئی خبر نہیں آئی؟

امیر المومنین! بے فکر رہیں۔ انشاء اللہ ترکستان سے پہلی خبر کے ساتھ قتیبہ کا سر بھی آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

دیکھیں! سلیمان نے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد ایک دربان نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ۔ سپین سے ایک سالار عبد اللہ نامی حاضر ہوا ہے۔

ہاں اسے لے آؤ! خلیفہ نے حکم دیا۔

دربان چلا گاے اور عبد اللہ حاضر ہوا۔

خلیفہ نے ذرا اوپر اُٹھتے ہوئے دایاں ہاتھ آگے بڑھایا۔ عبد اللہ آگے بڑھا اور خلیفہ سے مصافحہ کر کے ادب سے کھڑا ہو گیا۔

تمہارا نام عبد اللہ ہے؟

ہاں امیر المومنین!

میں نے سپین میں تمہارے معرکوں کی تعریف سُنی ہے۔ تم تجربہ کار نو جوان

معلوم ہوتے ہو، سپین کی فوج میں کب بھرتی ہوئے تھے؟

امیر المومنین! میں طارقؓ کے ساتھ سپین کے ساحل پر پہنچا تھا اور اس کے بعد وہیں رہا۔

خوب! طارقؓ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

امیر المومنین۔ وہ صحیح معنوں میں ایک مجاہد ہے۔

اور موسیٰ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

امیر المومنین! ایک سپاہی دوسرے سپاہی کے متعلق بری رائے نہیں دے سکتا۔ میں بذات خود موسیٰؑ کا مداح ہوں اور اسکے متعلق کوئی بُرا لفظ منہ سے نکالنا گناہ سمجھتا ہوں۔

ابن قاسم کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

امیر المومنین! میں اس کے متعلق اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ ایک بہادر سپاہی تھا۔ تم یہ جانتے ہو کہ میں ان لوگوں سے کس قدر متنفر ہوں؟ سلیمان نے کہا۔

امیر المومنین! میں آپ کا احترام کرتا ہوں لیکن میں منافق نہیں ہوں۔ آپ نے میری ذاتی رائے دریافت کی تھی۔ وہ میں نے بیان کر دی۔

میں تمہاری اس بات کی قدر کرتا ہوں اور چونکہ تم نے میرے خلاف کسی سازش میں حصہ نہیں لیا۔ میں تم پر اعتماد کرتا ہوں۔

امیر المومنین مجھے اس اعتماد کے قابل پائیں گے۔

بہت اچھا۔ ہمیں قسطنطنیہ کہ مہم کے لیے ایک تجربہ کار جرنیل کی ضرورت تھی۔
وہاں ہماری فوجوں کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ تمہیں سپین سے اسی لیے بلایا گیا ہے۔
تم بہت جلد یہاں سے پانچ ہزار سپاہی لے کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو جاؤ!

سلیمان نے ایک نقشہ اٹھا کر کھولا اور عبداللہ کو اپنے قریب بلا کر قسطنطنیہ پر
حملے کے مختلف طریقوں پر ایک لمبی چوڑی بحث شروع کر دی۔

دربان نے آکر ایک خط پیش کیا۔

سلیمان نے جلدی سے خط کھول کر پڑھا اور ابن صادق کی طرف بڑھاتے
ہوئے کہا:

قتیبہ قتل ہو چکا ہے اور چند دن تک اس کا سر یہاں پہنچ جائے گا۔

مبارک ہو! ابن صادق نے خلیفہ کے ہاتھ سے خط لے کر پڑھتے ہوئے کہا۔
اور آپ نے اس نوجوان کے متعلق کیا سوچا؟

کون سا نوجوان؟

وہی جو قتیبہ کی طرف سے پچھلے دنوں یہاں آیا تھا۔ بہت خطرناک آدمی معلوم
ہوتا ہے۔ ہاں اس کے متعلق بھی ہم عنقریب فیصلہ کریں گے۔

خلیفہ پھر عبداللہ کی طرف متوجہ ہوا

تمہاری تجاویز مجھے کامیاب نظر آتی ہیں۔ تم فوراً روانہ ہو جاؤ!

میں کل ہی روانہ ہو جاؤں گا۔ عبداللہ سلام کر کے باہر نکل گیا۔

(۲)

عبداللہ دربار خلافت سے نکل کر زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ٹھہرا لیا۔ عبداللہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک خوش وضع نوجوان اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ عبداللہ نے اسے گلے لگالیا۔

یوسف! تم یہاں کیسے؟ تم پلین سے ایسے غائب ہوئے کہ پھر تمہاری شکل تک دکھائی نہ دی۔

مجھے یہاں کوئوال کا عہدہ دیا گیا ہے۔ آج تمہیں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ عبداللہ تم پہلے آدمی ہو جس کی بیباکی پر خلیفہ خفا نہیں ہوا۔

یہ اس لیے کہ اسے میری ضرورت تھی! عبداللہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ تم وہیں تھے؟

میں ایک طرف کھڑا تھا لیکن تم نے دھیان نہیں کیا۔

تم صبح جا رہے ہو؟

تم نے سن ہی لیا ہوگا؟

آج رات تو میرے پاس ٹھہرو گے نا؟

مجھے تمہارے پاس ٹھہرتے ہوئے بہت خوشی ہوتی لیکن علی الصباح لشکر کو کوچ کی تیاری کا حکم دینا ہے اس لیے میرا مستقر میں ٹھہرانا زیادہ مناسب ہوگا۔

عبداللہ چلو اپنی فوج کو تیاری کا حکم دے آؤ۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا

ہوں۔ ہم تھوڑی دیر میں واپس آجائیں گے۔ اتنی دیر کے بعد ملے ہیں۔ باتیں کریں گے!

اچھا چلو!

عبداللہ اور یوسف باتیں کرتے ہوئے لشکر کی قیام گاہ میں داخل ہوئے۔ عبداللہ نے امیر لشکر کو خلیفہ کو حکم نامہ دیا اور پانچ ہزار سپاہیوں کو علی الصبح کوچ کے لیے تیار رکھنے کی ہدایت دی اور یوسف کے ساتھ واپس شہر میں چلا آیا۔

رات کے وقت یوسف کے مکان پر عبداللہ اور یوسف کھانا کھانے کے بعد باتوں میں مشغول تھے۔ وہ قتیبہ بن مسلم باہلی کی فتوحات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی حسرتناک انجام پر اظہارِ افسوس کر رہے تھے۔

عبداللہ نے سوال کیا۔ وہ شخص کون تھا جس نے امیر المومنین کو قتیبہ کے قتل کی خبر آنے پر مبارکباد دی تھی؟

یوسف نے جواب دیا وہ تمام دمشق کے لیے ایک معما ہے۔ میں اس کے متعلق اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ اس کا نام ابن صادق ہے اور خلیفہ ولید نے اس کے سر کی قیمت ایک ہزار اشرفی مقرر کی تھی۔ خلیفہ کی وفات کے بعد یہ کسی گوشہ سے باہر نکل کر سلیمان کے پاس پہنچا۔ نئے خلیفہ نے اس کا بے حد احترام کیا اور اب یہ حالت ہے کہ خلیفہ اس سے زیادہ کسی کی نہیں سنتا۔

عبداللہ نے کہا۔ مدت ہوئی میں اس کے متعلق کچھ سنا تھا۔ دربارِ خلافت میں اس کا اقتدار تمام مسلمانوں کے لیے خطرے کا باعث ہوگا۔ موجودہ حالات یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ہمارے لیے بہت بُرا وقت آ رہا ہے۔

یوسف نے کہا میں اس سے زیادہ سنگ دل اور کمینہ انسان آج تک نہیں دیکھا۔ محمد بن قاسم کے المناک انجام پر کوئی شخص ایسا نہ تھا جس نے آنسو نہ بہائے ہوں۔ خود سلیمان نے اس قدر سخت دل ہونے کے باوجود کسی سے کئی دن بات نہ کی لیکن یہ شخص تھا جو اس دن بے حد بٹاش تھا۔ اگر میرے بس میں ہو تو اسے کتوں سے نوچوا ڈالوں۔ یہ شخص جس کی طرف انگلی اٹھاتا ہے۔ امیر المومنین اسے جلاد کے سپرد کر دیتے ہیں۔ قتیبہ کو قتل کرنے کا مشورہ اسی نے دیا تھا اور آج تم نے سنا، یہ شخص خلیفہ کو ایک قیدی یا دو لارہا تھا!

ہاں، وہ کون ہے؟

وہ قتیبہ کا ایک نوجوان جرنیل ہے۔ جب اس شخص کا خیال آتا ہے۔ میرے جسم کے روگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجھے اس کا انجام محمد بن قاسم سے زیادہ المناک نظر آتا ہے۔ عبد اللہ میراجی چاہتا ہے کہ نوکری چھوڑ کر فوج میں شام ہو جاؤں۔ میرا ضمیر مجھے ہر وقت کوستا رہتا ہے۔ محمد بن قاسم پر عرب کے تمام بچے اور بوڑھے فخر کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو بدترین مجرم کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔ جب اسے واسطہ کے قید خانہ میں بھیجا گیا تو مجھے بھی اس کی نگرانی کے لیے وہاں پہنچنے کا حکم ہوا۔ واسطہ کا حاکم صالح پہلے ہی اس کے خون کا پیاسا تھا۔ اُس نے محمد بن قاسم کو سخت اذیتیں دیں۔ چند دن بعد اسے صادق بھی وہاں پہنچ گیا۔ یہ شخص ہر روز محمد بن قاسم کا دل دکھانے کے لیے کوئی نہ کوئی نیا طریقہ سوچتا۔ مجھے وہ وقت نہیں بھولتا جب محمد بن قاسم قتل سے ایک دن پہلے قید خانے کی کوٹھڑی میں ٹہل رہا تھا۔ میں لوہے کی سلاخوں سے باہر کھڑا اُس کی ہر حرکت کا معانیہ کر رہا تھا۔ اس کے خوبصورت چہرے کی مچانت دیکھ کر میرا دل چاہتا تھا کہ اندر

جا کر اس کے پاؤں چوم لوں۔ رات کے وقت مجھے سخت نگرانی کا حکم تھا۔ میں نے اس کی اندھیری کوٹھڑی میں شمع جلا دی۔ عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد اُس نے آہستہ آہستہ ٹہلنا شروع کیا۔ رات گزر چکی تھی۔ یہ ذلیل کتا ابنِ صادق قید خانے کے پھانک پر آ کر چلانے لگا۔ پہریدار نے دروازہ کھولا ابنِ صادق نے میرے پاس آ کر کہا۔ میں محمد بن قاسم سے ملنا چاہتا ہوں!

میں نے جواب دیا۔ صالح کا حکم ہے کہ کسی کو بھی اس سے ملاقات کی اجازت نہ دی جائے۔ اُس نے جوش میں آ کر کہا۔ تم جانتے ہو میں کون ہوں؟

میں قدرے گھبرا گیا۔ اس نے لہجہ بدل کر مجھے تلسی دیتے ہوئے کہا کہ صالح تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ میں نے مجبوراً محمد بن قاسم کی کوٹھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ ابنِ صادق آگے بڑھ کر دروازہ کی سلاخوں میں اسے جھانکنے لگا۔ محمد بن قاسم اپنے خیالات میں محو تھا۔ اس نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ ابنِ صادق نے حقارت آمیز لہجے میں کہا:

حجاج کے لاڈلے بیٹے! تمہارا کیا حال ہے؟

محمد بن قاسم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا کوئی بات نہ کی۔

مجھے پہچانتے ہو؟ ابنِ صادق نے دوبارہ سوال کیا۔

محمد بن قاسم نے کہا۔ مجھے یاد نہیں آپ کون ہیں۔

اس نے کہا دیکھا تم بھول گئے لیکن میں تمہیں نہیں بھولا۔

محمد بن قاسم نے آگے بڑھ کر دروازہ کی سلاخوں کو پکڑتے ہوئے ابنِ صادق

کی طرف غور سے دیکھنے کے بعد کہا شاید میں کہیں آپ کو دیکھا ہے لیکن یا نہیں۔

ابن صادق نے بغیر کچھ کہے اپنی چھڑی اس کے ہاتھ پر دے ماری اور اس کے منہ پر تھوک دیا۔ میں حیران تھا کہ اُس کے چہرے پر غصے کے آثار تک پیدا نہ ہوئے۔ اس نے اپنی قمیض کے دامن سے اپنے چہرے کو پونچھتے ہوئے کہا۔ بوڑھے آدمی! میں نے تمہاری عمر کے کسی آدمی کو کبھی تکلیف نہیں دی۔ اگر میں نے اپنی لاعلمی میں تمہیں کوئی دُکھ پہنچایا ہو تو میں خوشی سے تمہیں ایک بار اور تھوکنے کی اجازت دیتا ہوں۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اس وقت محمد بن قاسم کے سامنے اگر پتھر بھی ہوتا تو پگھل کر رہ جاتا میرا جی چاہتا تھا کہ میں ابن صادق کی داڑھی نوچ ڈالوں۔ لیکن شاید یہ دربارِ خلافت کا احترام تھا یا میری بددلی تھی کہ میں کچھ نہ کر سکا۔ اس کے بعد ابن صادق گالیاں بکتا ہوا واپس چلا آیا۔ آدھی رات کے قریب میں نے قید خانے میں چکر لگاتے ہوئے دیکھا کہ وہ دو زانو بیٹھا ہاتھ اٹھا کر دُعا کر رہا ہے مجھ سے نہ رہا گاے۔ میں قفل کھول کر کوٹھڑی کے اندر داخ ہوا۔ اس نے دُعا ختم کر کے میری طرف دیکھا۔

اُٹھے! میں نے کہا۔

کیوں؟ اُس نے حیران ہو کر سوال کیا۔

میں نے کہا۔ میں اس گناہ میں حصہ لینا نہیں چاہتا۔ میں آپ کی جان بچانا چاہتا ہوں۔ اس نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ مجھے اپنے قریب بٹھا لیا اور کہا۔ اول تو مجھے اس بات کا یقین نہیں کہ امیر المومنین میرے قتل کا حکم صادر

فرمائیں گے۔ اگر یہ ہوا بھی تو تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اپنی جان بچانے کے لیے تمہاری جان خطرے میں ڈالوں گا؟

میں نے کہا۔ میری جان خطرے میں نہیں پڑے گی۔ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ میرے پاس دو نہایت تیز رفتار گھوڑے ہیں ہم بہت جلد یہاں سے دُور نکل جائیں گے۔ ہم کوفہ اور بصرہ کے لوگوں کی پناہ لیں گے۔ وہ لوگ آپ کے لیے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کے لیے تیار ہیں۔ اسلامی دنیا کے تمام بڑے بڑے شہر آپ کی آواز پر لبیک کہیں گے۔

اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور کہا۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں بغاوت کی آگے پھیلا کر مسلمانوں کی تباہی کا تماشا دیکھوں گا؟ نہیں یہ نہیں ہوگا۔ میں اسے ایک بُردلی خیال کرتا ہوں۔ بہادروں کو بہادروں کی موت مرنا چاہیے۔ میں اپنی جان کی حفاظت کے لیے ہزاروں مسلمانوں کی جانیں خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ تم یہ چاہتے ہو کہ دنیا محمد بن قاسم کو ایک مجاہد کے نام سے یاد کرنے کی بجائے ایک باغی کہے؟

میں نے کہا۔ لیکن مسلمانوں کو آپ جیسے بہاری سپاہیوں کی ضرورت ہے۔

اُس نے کہا۔ مسلمانوں میں میرے جیسے سپاہیوں کی کمی نہیں۔ اسلام کو تھوڑا بہت سمجھنے والا شخص بھی ایک بہترین سپاہی کے اوصاف پیدا کر سکتا ہے۔

میرے پاس اور الفاظ نہیں تھے۔ میں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ معاف کیجئے۔ آپ میرے خیال سے بہت بلند نکلے۔ اُس نے اُٹھ کر میرے ساتھ ہاتھ ملایا اور کہا۔ دربارِ خلافت مسلمانوں کی طاقت کا مرکز ہے۔ اس سے بے وفائی کا خیال کبھی

اپنے دل میں نہ لانا!

یوسف نے بات ختم کی۔ عبد اللہ نے اس کی اشک آلود آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: وہ ایک ہونہار مجاہد تھا۔

یوسف نے کہا۔ اب میرے لیے ایک اور بات سوہان روح بنی ہوئی ہے۔ میں ابھی آپ سے تنبیہ بن مسلم باہلی کے ایک جرنیل کا تذکرہ کر رہا تھا۔ اس کی شکل و صورت آپ سے ملتی جلتی ہے۔ قدر ذرا آپ سے لمبا ہے۔ مجھے اس کے ساتھ بہت اُنس ہو گیا ہے اور خدا نہ کرے اگر اُس کا انجام بھی وہی ہوا تو میں بغاوت کا علم بلند کر دوں گا۔ اس بے چارے کا بس اتنا قصور ہے کہ اُس نے محمد بن قاسم اور تنبیہ کے متعلق چند اچھے الفاظ کہہ دیے۔ اب ابن صادق ہر روز قید خانے میں جا کر اس کا دل دُکھاتا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اسے ابن صادق کی باتوں سے بجد تکلیف ہوتی ہے۔ اُس نے مجھ سے کئی بار پوچھا ہے کہ اسے کب آزاد کیا جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ ابن صادق کے اصرار سے خلیفہ اسے آزاد کرنے کے بجائے قتل کروا ڈالے گا۔ محمد بن قاسم کے چند اور دوست بھی قید ہیں لیکن جو سلوک اس کے ساتھ کیا جاتا ہے، شرمناک ہے۔ اس کی تاتاری بیوی بھی اُسکے ساتھ آئی ہے اور وہ اپنے ایک رشتہ دار کے ساتھ شہر میں رہتی ہے۔ اس نے چند روز ہنرے مجھے اپنی بیوی کا پتہ دیا تھا۔ اس کا نام شاید زرگس ہے۔ میری خالہ کا مکان اس کے مکان کے قریب ہی ہے۔ خالہ کو اس کے ساتھ بہت اُنس ہو گیا ہے۔ وہ سارا دن وہاں رہتی ہے اور مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں اس کے شوہر کو بچانے کی کوئی صورت نکالوں۔ میں حیران ہوں کہ کیا کروں اور کس طرح اس کی جان بچاؤں؟

عبد اللہ ایک گہری سوچ میں ڈوبا یوسف کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے دل میں

طرح طرح کے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ اس نے یوسف سے سوال کیا۔ اس کی شکل مجھ سے ملتی جلتی ہے؟

ہاں، لیکن وہ آپ سے ذرا لمبا ہے۔

اس کا نام نعیم تو نہیں؟ عبداللہ نے مغموم لہجے میں پوچھا۔

ہاں نعیم! آپ اسے جانتے ہیں؟

وہ میرا بھائی ہے۔ میرا چھوٹا بھائی۔

اُف مجھے یہ معلوم نہ تھا۔

عبداللہ نے ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد کہا۔ اگر اس کا نام نعیم ہے اور اس کی پیشانی میری پیشانی سے کشادہ، اس کی ناک میری ناک سے ذرا پتلی، اس کی آنکھیں میری آنکھوں سے بڑی اس کے ہونٹ میرے ہونٹوں کے مقابلے میں پتلے اور خوب صورت، اس کا قد میرے قد سے ذرا لمبا، اس کا جسم میرے جسم کے مقابلے میں ذرا پتلا ہے تو میں قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ میرے بھائی کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ وہ کتنی دیر سے زیرِ حراست ہے؟

اسے قید ہوئے کوئی دو مہینے ہونے والے ہیں۔ عبداللہ! اب ہمیں اسے بچانے کی تدبیر کرنی چاہیے!

تم اپنی جان خطرے میں ڈالے بغیر اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟ عبداللہ نے کہا۔

عبداللہ! تمہیں یاد ہے کہ قرطبہ کے محاصرے میں جب میں زخموں سے چور تھا، تم نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر میری جان بچائی تھی اور تیروں کی بارش میں لاشوں کے ڈھیر سے مجھے اٹھالائے تھے؟

وہ میرا فرض تھا۔ تم پر احسان نہیں تھا!

میں بھی اسے اپنا فرض خیال کرتا ہوں۔ تم پر احسان نہیں سمجھتا۔

عبداللہ کچھ دیر تک یوسف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا۔ وہ کچھ کہنے کو تھا کہ یوسف کی حبشی گلام زیاد نے آکر اطلاع دی کہ ابن صادق دروازے پر کھڑا آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ یوسف کا چہرہ زرد پڑ گیا ہے۔ اس نے گھبرا کر عبداللہ سے کہا۔ آپ دوسرے کمرے میں چلے جائیں وہ شک نہ کرے!

عبداللہ جلدی سے پچھلے کمرے میں چلا گیا۔ یوسف نے کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بعد اطمینان کا سانس لیا اور زیادہ سے کہا۔ اسے اندر لے آؤ!

زید چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ابن صادق داخل ہوا۔ ابن صادق نے کوئی رسمی گفتگو شروع کرنے کی بجائے آتے ہی کہا۔ آپ مجھے دیکھ کر بہت حیران ہوئے ہوں گے؟

یوسف نے اپنے ہونٹوں پر ایک معنی خیز تبسم لاتے ہوئے کہا۔ اس جگہ کیا۔ میں آپ کو ہر جگہ دیکھ کر حیران ہوتا ہوں۔ آپ تشریف رکھیں۔

شکریہ۔ ابن صادق نے چاروں طرف نظر دوڑا کر عقبی کمرے کے دروازے کی طرف حتمی باندھ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ میں آج بہت مصروف ہوں۔ وہ آپ کے

دوست کہاں ہیں؟

یوسف نے پریشان ہو کر کہا۔ کون سے دوست؟

آپ جانتے ہیں میں کون سے دوست کے متعلق پوچھ رہا ہوں؟

مجھے آپ کی طرح علمِ غیب نہیں ہے۔

میرا مطلب ہے کہ نعیم کا بھائی عبداللہ کہاں ہے؟

آپ کیسے جانتے ہیں کہ عبداللہ نعیم کا بھائی ہے؟

نعیم کے متعلق معلومات مہیا کرتے ہوئے میں نے کئی سال گزارے ہیں۔

آپ جانتے ہیں مجھے اس کے ساتھ کس قدر دلچسپی ہے۔

یوسف نے ترش لہجے میں جواب دیا۔ یہ تو میں جانتا ہوں لیکن میں یہ پوچھنے

کی جرات کر سکتا ہوں کہ آپ کو عبداللہ کے ساتھ کیا کام ہے؟

ابنِ صادق نے جواب دیا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ پہلے آپ یہ

بتائیں کہ وہ کہاں ہے؟

مجھے کیا معلوم۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ کو کسی کے ساتھ دلچسپی ہو تو میں بھی اس

کی جاسوسی کرتا پھروں۔

ابنِ صادق نے کہا۔ جب وہ دربارِ خلافت سے باہر نکلتا تھا آپ اس کے

ساتھ تھے۔ جب لشکر کی قیام گاہ میں پہنچا تھا آپ اس کے ساتھ تھے۔ جب وہ

واپس شہر کی طرف آیا تھا تو آپ اس کے ساتھ تھے۔ میرا خیال تھا کہ اب بھی وہ آپ

کے ساتھ ہوگا!

وہ یہاں سے کھانا کھا کر چلا گیا ہے۔

کب؟

ابھی۔

کس طرف؟

غالباً لشکر کی قیام گاہ کی طرف

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قید خانے کی طرف گیا ہو یا اپنے بھائی کی بیوہ کو تسلی دینے کیلئے گیا ہو۔

بھائی کی بیوہ؟ آپ کا مطلب ہے کہ -----؟

ابن صادق نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ میرا مطلب ہے کہ وہ کل تک بیوہ ہو جائے گی۔ میں آپ کو امیر المومنین کا ایہ حکم سنانے کے لیے آیا ہوں کہ محمد بن قاسم کے تمام دوستوں کی اچھی طرح نگرانی کریں۔ کل ان کے متعلق حکم سنایا جائے گا۔ اور میں اپنی طرف سے آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ اپنی جان عزیز رکھتے ہیں تو عبداللہ کے ساتھ مل کر نعیم کی رہائی کی سازش نہ کریں!

آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ میں ایسی سازش کر سکتا ہوں؟ یوسف نے غصے میں آ کر کہا مجھ کو یقین تو نہیں لیکن شاید عبداللہ کی دوستی کا پاس آپ کو مجبور کر دے۔

آپ نے قید خانے پر کتنے سپاہی مقرر کیے ہیں؟

یوسف نے جواب دیا۔ چالیس اور خود بھی وہاں جا رہا ہوں۔

اگر ہو سکے تو چند اور سپاہی مقرر کر دیں کیونکہ وہ آخری وقت پر بھی فرار ہو جایا کرتا ہے۔

آپ اس قدر گھبراتے کیوں ہیں؟ وہ ایک معمولی آدمی ہے۔ قید خانے پر اگر پانچ ہزار آدمی بھی حملہ کر دیں تو بھی اسے ٹھہرا کر لے جانا محال ہے۔

میری فطرت مجھے آنے والے خطرات سے آگاہ کر دیتی ہے۔ اچھا میں جات ہوں۔ چند اور سپاہی بھی آپ کے پاس بھیج دوں گا آپ ان کو بھی نعیم کی کوٹھڑی پر متعین کر دیں!

یوسف نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ آپ مطمئن رہیں۔ نئے پہریداروں کی ضرورت نہیں میں کو دو پہرہ دوں گا۔ آپ اتنے فکر مند کیوں ہیں؟

ابن صادق نے جواب دیا۔ آپ کو شاید معلوم نہیں۔ اس کی رہائی دوسرے معنوں میں میری موت ہوگی۔ جب تک اس کی گردن پر جلاد کی تلوار نہیں پڑتی۔ مجھے چین نہیں آ سکتا۔

ابن صادق نے اپنا فقرہ ختم کیا ہی تھا کہ عقبی کمرے کا دروازہ یکا یک کھلا اور عبداللہ نے بارہ نکلنے ہوئے کہا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نعیم کی موت سے پہلے تم قبر کی آغوش میں سلا دیے جاؤ۔

ابن صادق چونک کر پیچھے ہٹا اور چاہتا تھا کہ وہاں سے بھاگ نکلے لیکن

یوسف نے آگے بڑھ کر راستہ روک لیا اور اپنا خنجر دکھاتے ہوئے کہا:

اب تم نہیں جاسکتے!

ابن صادق نے کہا۔ تم جانتے ہو میں کون ہوں؟

ہم تمہیں اچھی طرح جانتے ہیں اور اب تمہیں یہ جاننا ہوگا کہ ہم کون ہیں؟ یہ کہہ کر یوسف نے تالی بجائی اور اس کا غلام زیاد بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اپنے جسم کے طول و عرض اور شکل و شبہت کی ہیبت سے ایک کالا دیو معلوم ہوتا تھا۔ تو نہ اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ چلتے وقت اس کا پیٹ اوپر نیچے اچھلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ ناک نہایت لمبوتری اور موٹی تھی۔ نیچے کا ہونٹ اس قدر موٹا تھا کہ نچلے دانت مسوڑھوں تک نظر آتے تھے۔ اوپر کے دانت اوپر کے ہونٹ سے مقابلتا ہوتے تھے۔ آنکھیں چھوٹی لیکن چمک دار تھیں۔ اس نے ابن صادق کی طرف دیکھا اور اپنے آقا کے حکم کا انتظار کرنے لگا۔

یوسف نے ایک رسی لانے کا حکم دیا۔ زیاد اسی طرح پیٹ کو اوپر نیچے اچھالتا ہوا باہر نکلا اور رسی کے علاوہ ایک کوڑا بھی لے آیا۔

یوسف نے کہا۔ زیاد! اسے رسی سے جکڑ کر اس ستون کے ساتھ باندھ دو!

زیاد پہلے سے زیادہ خوف ناک شکل بنا کر آگے بڑھا اور اس نے ابن صادق کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔ ابن صادق نے کچھ جدوجہد کی لیکن اپنے طاقت ور حریف کی گرفت میں بے بس ہو کر رہ گیا۔ زیاد نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اس قدر جھنجھوڑا کہ اس کے ہوش و حواس جاتے ہوئے۔ اس کے بعد نہایت اطمینان سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور ایک ستون کے ساتھ جکڑ دیا۔ عبد اللہ نے اپنی جیب

سے رومال نکالا اور اس کے منہ پر کس کر باندھ دیا۔

یوسف نے عبداللہ کی طرف دیکھا اور اس سے سوال کیا۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

عبداللہ نے جواب دیا۔ میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔ تم تیار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ تمہیں اس مکان کا پتہ ہے جہاں نعیم کی بیوی رہتی ہے؟ ہاں وہ نزدیک ہے۔

بہت اچھا یوسف تم ایک لمبے سفر پر جا رہے ہو۔ فوراً تیار ہو جاؤ! یوسف لباس تبدیل کرنے میں مصروف ہو گیا اور عبداللہ نے کاغذ اور قلم اٹھایا اور جلدی جلدی خط لکھ کر اپنی جیب میں ڈالا۔ خط آپ کس کے نام لکھ رہے ہیں۔

یہ بات اس ذلیل کتے کے سامنے بتانا قریب مصلحت نہیں۔ میں باہر نکل کر بتاؤں گا۔ آپ اپنے غلام سے کہہ دیں کہ میں جس طرح کہوں اس طرح کرے اسے میں آج صبح اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔

اور اس کا کیا ہوگا؟ یوسف نے ابن صادق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عبداللہ نے جواب دیا۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ زیادہ کو کہہ دو کہ جب تک میں واپس نہ آؤں، اس کی حفاظت کرے۔۔۔۔ اور آپ کے ہاں لکڑی کا کوئی بڑا

صندوق ہے جو اس خطرناک چوہے کے لیے پنجرے کا کام دے سکے؟

یوسف عبد اللہ کا مقصد سمجھ کر مسکرایا۔ اس نے کہا۔ ہاں ایک بڑا صندوق دوسرے کمرے میں پڑا ہے جو اس کے لیے اچھے خاصے پنجرے کا کام دے سکے گا۔ آئیے۔ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔ یہ کہہ کر یوسف عبد اللہ کو اپنے ساتھ دوسرے کمرے میں لے گیا اور لکڑی کے ایک صندوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میرے خیال میں یہ آپ کی ضرورت کو پورا کر سکے گا!

ہاں یہ بہت اچھا ہے۔ اسے فوراً خالی کرو۔ یوسف نے ڈھکنا اُپر اٹھایا اور صندوق کو اٹھا کر تمام سامان فرش پر ڈھیر کر دیا۔ عبد اللہ نے صندوق کے ڈھکنے میں چاقو کے ساتھ دو تین سوراخ کے دیے اور کہا۔ بس اب ٹھیک ہے۔ زیاد سے کہو کہ اسے اُٹا کر دوسرے کمرے میں لے جائے۔

یوسف نے زیاد کو حکم دیا اور وہ صندوق اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گیا۔

عبد اللہ نے کہا۔ اب تم زیاد سے کہو کہ اس کی پوری پوری نگرانی کرے اور اگر یہ آزاد ہونے کی کوشش کرے تو فوراً اس کا گلا گھونٹ دے۔

یوسف نے زیاد کی طرف دیکھا اور کہا۔ زیاد! تم سمجھتے ہو تمہیں کیا کرنا ہے؟

زیاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ان کا حکم بالکل میرا حکم سمجھنا!

زیاد نے پھر اسی طرح سر ہلا دیا۔

عبداللہ نے کہا۔ چلو اب دیر ہو رہی ہے۔

یوسف اور عبداللہ کمرے سے باہر نکلنے کو تھے کہ یوسف کچھ سوچ کر رُک گیا اور بولا شاید میں اس شخص سے دوبارہ نہ ملوں۔ مجھے اس سے کچھ کہنا ہے۔

عبداللہ نے کہا۔ اب ایسی باتوں کا وقت نہیں۔

کوئی لمبی بات نہیں۔ یوسف نے کہا۔ ذرا اٹھریے۔

یہ کہہ کر یوسف، ابن صادق کی طرف متوجہ ہوا۔ میں آپ کا مقروض ہوں اور اب چاہتا ہوں کہ آپ کا تھوڑا بہت قرضہ ادا کر دوں۔ دیکھیے۔ آپ نے محمد بن قاسم کے منہ پر تھوکا تھا۔ اس لیے میں آپ کے منہ پر تھوکتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُس نے ابن صادق کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ نے اس کے ہاتھ پر چھڑی بھی ماری تھی۔ اس لیے لیجئے۔ یوسف نے اسے ایک کوڑا رسید کرتے ہوئے کہا۔ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے نعیم کے منہ پر تھپڑ بھی مارا تھا۔ یہ اس کا جواب ہے۔ یوسف نے یہ کہہ کر زور سے ایک تھپڑ رسید کیا۔ اور آپ نے نعیم کے سر کے بال بھی نوچے تھے۔ یوسف نے اسکی ڈاڈھی کو زور زور سے جھٹکے دیتے ہوئے کہا۔

یوسف بچے نہ بنو جلدی کرو! عبداللہ نے واپس مڑ کر اسے بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

اچھا باقی پھر سہی۔ زیاد! اس کا اچھی طرح خیال رکھنا!

زیاد نے پھر اُسی طرح سر ہلایا اور یوسف عبداللہ کے ساتھ باہر نکل گیا۔

راستے میں یوسف نے پوچھا۔ آپ نے کیا تجویز سوچی ہے؟

عبداللہ نے کہا۔ سُنو! تم مجھے نعیم کی بیوی کے مکان پر چھوڑ کر قید خانے کی طرف جاؤ اور نعیم کو وہاں سے نکال کر اپنے گھر لے جاؤ۔ وہاں سے نکالنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوگی؟

کوئی دقت نہیں۔

اچھا تم نے بتایا تھا کہ تمہارے پاس دو بہترین گھوڑے ہیں۔ میرا گھوڑا فوجی اصطبل میں ہے۔ تم ایک اور گھوڑے کا انتظام نہیں کر سکتے؟

انتظام تو دس گھوڑوں کا بھی ہو سکتا ہے لیکن نعیم کے اپنے تین گھوڑے بھی تو اس کے گھر موجود ہیں۔

اچھا تم نعیم کو نکال کر اپنے گھر لے آؤ۔ میں اتنی دیر میں اسکی بیوی کے ساتھ شہر کے مغربی دروازے کے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔ تم دونوں گھر سے سوار ہو کروہاں پہنچ جاؤ۔

عبداللہ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا خط اپنی جیب سے نکال کر یوسف کو دیتے ہوئے کہا:

تم یہاں سے سیدھے قیروان جاؤ گے۔ وہاں کا سالار اعلیٰ میرا دوست ہے اور نعیم کا ہم مکتب بھی رہ چکا ہے۔ وہ تمہیں سپین تک پہنچانے کا بندوبست کر دے گا۔ سپین پہنچ کر طلیطلہ کے امیر عسا کر ابو عبید کو یہ خط دینا۔ وہ تمہیں فوج میں بھرتی کر لے گا۔ وہ میرا نہایت مخلص دوست ہے۔ آپ کو پوری پوری حفاظت کرے گا۔ اسے یہ

بتانے کی ضرورت نہیں کہ نعیم میرا بھائی ہے۔ میں نے لکھ دیا ہے کہ آپ دونوں میرے دوست ہیں۔ کسی اور کو اپنے حالات سے آگاہ نہ کرنا۔ میں قسطنطنیہ سے آکر امیر المومنین کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کروں گا۔

یوسف نے خط لے کر جیب میں رکھ لیا اور ایک خوبصورت مکان کے دروازے پر پہنچ کر بتایا کہ نعیم کی بیوی اس جگہ رہتی ہے۔

عبداللہ نے کہا اچھا تم جاؤ اور اپنا کام ہوشیاری سے کرنا۔

بہت اچھا۔ خدا حافظ

خدا حافظ۔

یوسف کے چند قدم دور چلنے کے بعد عبداللہ نے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ برک نے اندر سے دروازہ کھولا اور عبداللہ کو نعیم سمجھتے ہوئے خوشی سے اُچھل کر تاتاری زبان میں کہا۔ آپ آگئے؟ آپ آگئے۔ زگس۔ زگس بیٹا ہو آگئے۔

عبداللہ شروع شروع میں کچھ عرصہ ترکستان میں گزار چکا تھا۔ اس لیے وہ تاتاری زبان سے تھوڑا بہت واقف تھا۔ اس نے برک کا مطلب سمجھ کر کہا۔ میں اُس کا بھائی ہوں۔

اتنے میں زگس بھاگتی ہوئی آئی۔ کون آگئے؟ اُس نے آتے ہی پوچھا۔

یہ نعیم کے بھائی ہیں۔ برک نے جواب دیا۔

نہیں گھوڑوں پر۔ یہ کہہ کر عبداللہ نے برک کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ گھوڑے کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا۔ وہ سامنے اصطبل میں ہیں۔
چلو ہم گھوڑے تیار کریں۔

عبداللہ اور برک نے اصطبل میں پہنچ کر گھوڑوں پر زینیں ڈالیں اتنے میں نرگس تیار ہو کر آگئی۔ عبداللہ نے اسے ایک گھوڑے پر سوار کرایا اور باقی دو گھوڑوں پر وہ اور برک سوار ہو گئے۔ شہر کے دروازے پر پہریداروں نے روکا۔ عبداللہ نے انہیں بتایا کہ وہ صبح کے وقت قسطنطنیہ جانے والی فوج کے ساتھ شامل ہونے کے لیے لشکر کی قیام گاہ کی طرف جا رہا ہے۔ اور ثبوت میں خلیفہ کا حکم نامہ پیش کیا۔ پہریداروں نے ادب سے جھک کر سلام کیا اور دروازہ کھول دیا۔ دروازے سے چند قدم آگے چل کر یہ تین گھوڑے سے اترے اور درختوں کے سائے میں کھڑے ہو کر یوسف اور نعیم کا انتظار کرنے لگے۔

وہ کب آئیں گے؟ نرگس بار بار بے چین ہو کر پوچھتی۔

عبداللہ ہر بار شفقت آمیز لہجے میں جواب دیتا۔ بس وہ آرہے ہوں گے۔

انہیں انتظار میں تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ دروازے کی طرف سے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ وہ آرہے ہیں۔ عبداللہ نے آہٹ پا کر کہا۔

سواروں کے آنے پر عبداللہ اور نرگس درختوں کے سائے سے نکل کر سڑک پر کھڑے ہو گئے۔

نعیم قریب پہنچ کر گھوڑے سے اتر اور بھائی سے لپٹ گیا۔

عبداللہ نے کہا۔ اب دیر نہ کرو۔ صبح ہونے والی ہے۔ قیروان پہنچنے سے پہلے دم نہیں لینا۔ برک میرے ساتھ چلے گا۔

نعیم گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ عبداللہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چوما اور آنکھوں سے لگا لیا۔ نعیم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

بھائی! عذرا کیسی ہے؟ نعیم نے مغموم آواز میں سوال کیا۔

وہ اچھی ہے۔ اگر خدا کو منظور ہو تو ہم تمہیں سپین میں ملیں گے۔

اس کے بعد عبداللہ نے یوسف کے ساتھ مصافحہ کیا اور پھر نرگس کے قریب جا کر اپنا ہاتھ بلند کیا۔ نرگس نے اس کا مطلب سمجھ کر سر نیچے جھکا دیا۔ عبداللہ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

نرگس نے کہا۔ بھائی جان! عذرا سے میرا سلام کہیے!

اچھا خدا حافظ! عبداللہ نے کہا۔

تینوں نے اس کے جواب میں خدا حافظ کہا اور گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ عبداللہ اور برک کچھ دیر وہیں کھڑے رہے اور جب نعیم اور اس کے ساتھی رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے تو یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہر کر لشکر کی قیام گاہ میں پہنچے۔

پہریداروں نے عبداللہ کو پہچان کر سلام کیا۔ برک کا گھوڑا ایک سپاہی کے حوالے کیا اور اس کی سواری کے لیے اُونٹ کا انتظام کر کے دوبارہ شہر کی طرف لوٹا۔

زیاد اپنے مالک سے ابن صادق کا پورا خیال رکھنے کا حکم سن چکا تھا اور اس نے ابن صادق کا اس حد تک خیال رکھا کہ اس کے چہرے سے نظر تک نہ ہٹائی۔ جب نیند کا غلبہ ہوتا تو اُٹھ کر اس ستون کے ارد گرد چکر لگانا شروع کر دیتا جس کے ساتھ ابن صادق جکڑا ہوا تھا۔ وہ اس تنہائی سے تنگ آچکا تھا۔ اسے اچانک خیال آیا اور وہ ابن صادق کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا اور غو سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر اچانک ایک خوفناک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے ابن صادق کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ دے کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور اس کے منہ پر تھوکنے لگا۔ اس کے بعد اس نے پوری طاقت سے ابن صادق کو چند کوڑے رسید کر دیے اور پھر اس کے منہ پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ اس پر ٹھوڑی دیر کے لیے بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو زیاد اس کی داڑھی پکڑ کر کھینچنے لگا۔ جب ابن صادق نے بے بس ہو کر گردن دھیلی چھوڑ دی تو زیاد بھی اس کی خلاصی کر کے ٹھوڑی دیر کیلئے اس کے ارد گرد گھومنے لگا۔ ابن صادق نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں تو زیادہ نے پھر وہی عمل دہرایا۔ چند بار ایسا کرنے سے جب اس نے محسوس کیا کہ اس کی طاقت کوڑے کھانے سے جواب دے چکی ہے تو ستون کے ارد گرد چکر لگانے کے بعد کبھی کبھی ابن صادق کی داڑھی پکڑ کر ایک آدھ جھٹکا دے دیتا۔ کبھی کبھی وہ تھک کر بیٹھ جاتا اور پھر ٹھوڑی دیر کے بعد یہ دل لگی شروع کر دیتا۔

جس وقت صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ زیاد نے دروازے سے باہر دیکھا۔ اسے عبداللہ اور برمک آتے دکھائی دیے۔ اس نے آخری بار جلدی جلدی تھوکنے، کوڑے مارے، طمانچے رسید کرنے اور داڑھی نوچنے کا شغل پورا کرنا چاہا۔ ابھی اس نے داڑھی نوچنے کی رسم پوری طرح ادا نہ کی تھی کہ عبداللہ اور برمک آ پہنچے۔

عبداللہ نے کہا۔ بے وقوف تم کیا کرتے ہو سے جلدی سے صندوق میں ڈالو۔

زیاد نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اس ادھ موئے اژدہ سے صندوق میں بند کر دیا۔ سورج نکلنے ہی عبداللہ اپنی فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف جا رہا تھا۔ سامانِ رسد کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ کی پیٹھ پر ایک صندوق بھی لدا ہوا تھا۔ اس اونٹ کی ٹکیل زیاد کی سواری کے اونٹ کی دُم سے بندھی ہوئی تھی۔ لشکر میں عبداللہ، برک اور زیادہ کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا کہ اس صندوق میں کیا ہے۔

عبداللہ کے حکم سے برک بھی گھوڑے پر اس صندوق والے اونٹ کے ساتھ ساتھ آ رہا تھا۔

(۵)

نعیم، زگس اور یوسف کے ہمراہ قیروان پہنچا۔ وہاں سے ایک لمبی مسافت طے کرنے کے بعد قرطبہ پہنچا۔ قرطبہ سے طیلہ کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر زگس کو ایک سرائے میں ٹھہرایا اور یوسف کے ہمراہ امیر عسا کر ابو عبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عبداللہ کا خط پیش کیا۔

ابو عبیدہ نے خط کھول کر پڑھا اور یوسف اور نعیم کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا۔ آپ عبداللہ کے دوست ہیں۔ آج سے مجھے بھی اپنا دوست خیال کریں۔ کیا عبداللہ خود واپس نہیں آئے گا۔

نعیم نے جواب دیا۔ امیر المومنین نے انہیں قسطنطنیہ کی مہم پر روانہ کیا ہے۔

اس جگہ ان کی قسطنطنیہ سے زیادہ ضرورت تھی۔ طارق اور موسیٰ کی جگہ لینے والا کوئی نہیں۔ میں ضعیف ہو چکا ہوں اور پوری تن دہی سے اپنے فرائض ادا نہیں کر سکتا۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ ملک شام اور عرب سے بہت مختلف ہے۔ یہاں پہاڑی لوگوں کے جنگ کے طریقے بھی ہم سے جدا ہیں۔ اس سے پیشتر کہ آپ کو فوج میں کوئی اچھا عہدہ دیا جائے۔ اس جگہ معمولی سپاہیوں کی حیثیت سے کافی دیر تک تجربہ حاصل کرنا ہوگا۔ رہا آپ کی حفاظت کا سوال تو اس کے متعلق مطمئن رہیں۔ اگر امیر المومنین نے آپ کو یہاں تک تلاش کرنے کی کوشش کی تو آپ کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے گا۔ لیکن میرا یہ اصول ہے کہ میں کسی شخص کی قابلیت کا امتحان لیے بغیر اسے کسی ذمہ داری پر مامور نہیں کرتا۔!

نعیم نے سپہ سالار کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ آپ اطمینان رکھیں۔ مجھے سپاہیوں کی آخری صف میں رہ کر بھی وہی مسرت حاصل ہوگی ج وہیں قتبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم کے دائیں ہاتھ پر رہ کر محسوس کیا کرتا تھا۔

آپ کا مطلب ہے کہ آپ ----!۔

ابوعبیدہ نے اپنا فقرہ پورا نہ کیا تھا کہ یوسف بول اُٹھا۔ یہ ابن قاسم اور قتبہ کے مشہور سالاروں میں سے ایک ہیں۔

معاف کیجئے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ میں اپنے سے زیادہ قابل اور تجربہ کار سپاہی کے سامنے کھڑا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے ابوعبیدہ نے پھر ایک بار نعیم سے مصافحہ کر لیا۔

میں اب سمجھا کہ آپ امیر المومنین کے زیرِ عتاب کیوں ہیں۔ یہاں آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ تاہم احتیاط کے طور پر آج سے آپ کا نام زبیر اور آپ کے دوست

کانام عبدالعزیز ہوگا۔ آپ کے ساتھ اور کوئی بھی ہے؟

نعیم نے کہا۔ ہاں۔ میری بیوی بھی ساتھ ہے۔ میں اس کو سرائے میں ٹھہر آیا ہوں۔

میں ان کے لیے ابھی کوئی بندوبست کرتا ہوں! ابو عبیدہ نے آواز دے کر ایک نوکر کو بلایا اور شہر میں کوئی اچھا سا مکان تلاش کرنے کا حکم دیا۔

چار مہینوں کے بعد نعیم زرہ بکتر پنچے زگس کے سامنے کھڑا تھا اور اس سے یہ کہہ رہا تھا جس رات بھائی عبداللہ اور عذرا کی شادی ہوئی تھی وہ اس رات جہاد پر روانہ ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ عذرا کے چہرے پر تفکرات اور گم کے معمولی آثار بھی نہ تھے۔

میں آپ کا مطلب سمجھتی ہوں۔ زگس نے مسکرا نے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ آپ کئی بار کہہ چکے ہیں کہ تاتاری عورتیں عرب عورتوں کے مقابلے میں بہت کمزور ہیں لیکن میں آپ کا خیال غلط ثابت کر دوں گی۔

نعیم نے کہا۔ پرتگال کی مہم پر ہمیں قریباً چھ ماہ لگ جائیں گے۔ میں کوشش کروں گا کہ اس دوران میں ایک دفعہ آ کر تمہیں دیکھ جاؤں۔ اگر میں نہ آ سکا تو گھبرا نہ جانا۔ آج ابو عبیدہ ایک لونڈی تمہارے پاس بھیج دے گا۔

میں آپ کو۔۔۔۔۔! زگس نے اپنی آنکھیں نیچے جھکاتے ہوئے کہا۔ ایک نئی خبر سنانا چاہتی ہوں۔

سناؤ۔ نعیم نے زگس کی ٹھوڑی پیار سے اُپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

جب آپ آئیں گے۔۔۔۔!

ہاں ہاں کہو!

آپ نہیں جانتے؟ زگس نے نعیم کا ہاتھ پکڑ کر دباتے ہوئے کہا۔

میں جانتا ہوں۔ تمہارا مطلب ہے کہ عنقریب ایک ہونہار بچے کا باپ بننے

والا ہوں۔

زگس نے اس کے جواب میں اپنا سر نعیم کے سینے کے ساتھ لگایا۔

زگس! اس کا نام بتاؤں۔۔۔ اس کا نام عبداللہ ہوگا۔ میرے بھائی کا نام!

اور اگر لڑکی ہوئی تو؟

نہیں ہو لڑکا ہوگا۔ مجھے تیروں کی بارش اور تلواروں کے سائے میں کھیلنے والے

بیتے کی ضرورت ہے۔ بس اسے تیر اندازی اور شاہسواروں کے کرتب سکھایا کروں

گا۔ میں اپنے آباؤ اجداد کی تلواروں کی چمک برقرار رکھنے کے لیے اس کے بازوؤں

میں طاقت اور اس کے دل میں جرات پیدا کروں گا۔

(۶)

اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے خلیفہ ولید نے قسطنطنیہ کے تسخیر کے لیے جنگی

جہازوں کا ایک بیڑا روانہ کیا تھا اور ایک فوج ایشیائے کوچک کے راستے بھیجی تھی

لیکن اس حملے میں مسلمانوں کو سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ قسطنطنیہ کی مضبوط فصیل

کی تسخیر سے پہلے اسلامی افواج کا سامانِ رسد ختم ہو گیا۔ دوسری مصیبت یہ نازل

ہوئی کہ موسمِ سرما کے آغاز پر لشکر میں طاعون کی وبا پھیل گئی اور ہزاروں مسلمانوں کی

جائیں ضائع ہو گئیں۔ ان مصائب میں اسلامی افواج کو ایک سال کے محاصرے کے بعد ناکام لوٹنا پڑا۔

محمد بن قاسم اور قتیبہ بن مسلم باہلی حسرتناک انجام کے بعد سندھ اور ترکستان میں اسلامی فتوحات کا دور قریباً ختم ہو چکا تھا۔ سلیمان نے بدنامی کے اس بدنامدھبے کو دھونے کے لیے قسطنطنیہ کو فتح کرنا چاہا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد خلیفہ ولید برسبت لے جائے گا۔ لیکن بد قسمتی سے اس نے اس کام کی تکمیل کے لیے ان لوگوں کو پنا جنہیں سپاہیانہ زندگی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ جب اس کے سپہ سالار کو پے در پے ناکامی ہوئی تو اس نے والی اندلس کو ایک بہادر اور تجربہ کار جرنیل بھیجنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔ عبداللہ اس کی تعمیل میں حاضر ہوا اور دمشق سے پانچ ہزار سپاہی لے کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا۔ سلیمان نے خود بھی دمشق چھوڑ کر رملہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا تاکہ وہاں سے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والی فوج کی نگرانی کر سکے۔ اُس نے خود بھی کئی بار حملہ آور فوج کی راہنمائی کی لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

عبداللہ سلیمان کی بہت سی تجاویز کے ساتھ اختلاف تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ ترکستان اور سندھ کے مشہور جرنیل جو قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم کے ساتھ عقیدت کے جرم کی پاداش میں معزول کر دیے گئے تھے۔ دوبارہ فوج میں شامل کر لیے جائیں لیکن خلیفہ نے ان کی بجائے اپنے چند نااہل دوست بھرتی کر لیے۔

عوام میں سلیمان کے خلاف جذبہ حقارت پیدا ہو رہا تھا۔ اسے خود بھی اپنی کمزوری کا احساس تھا۔ خدا کی راہ میں جان و مال شار کرنے والی سپاہ محض خلیفہ کی خوشنودی کے لیے خون بہانا پسند نہیں کرتی تھی۔ اس لیے کشور کشائی کا وہ پہلا جذبہ

آہستہ آہستہ فنا ہو رہا تھا۔ ابن صادق کے اچانک غائب ہونے سے خلیفہ کی پریشانیوں میں اضافہ ہو گیا۔ اسے جھوٹی تسلیاں دے دے کر آنے والے مصائب سے بے پروا کرنے والا کوئی نہ تھا۔ محمد بن قاسم جیسے بے گناہوں کے قتل پر اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔ اس نے ابن صادق کی تلاش میں ہر ممکن کوشش کی۔ جاسوس دوڑائے، انعام مقرر کیے لیکن اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔



جزا اور سزا

عبداللہ کو معلوم ہوتا تھا کہ خلیفہ ابن صادق کی تلاش میں ہر ممکن کوشش کر رہا ہے اور اسے زندہ رکھنا خطرناک ہے مگر وہ ایسے ذلیل انسان کے خون سے ہاتھ رنگنا بہادر کی شان کے شایاں نہ سمجھتا تھا۔ جب قسطنطنیہ کے راستے میں اس کی فوج نے قونیہ کے مقام پر قیام کیا تو عبداللہ عامل شہر سے ملا اور اس کے سامنے اپنے قیمتی سامان کی حفاظت کیلئے ایک مکان حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ عامل شہر نے عبداللہ کو ایک پُرانا اور غیر آباد مکان دے دیا۔ عبداللہ نے ابن صادق کو اس مکان کے تہہ خانے میں بند کیا اور برعکس اور زیادہ کو اسکی حفاظت کیلئے چھوڑ کر فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کا راستہ لیا۔

زیادہ کو اپنی زندگی سے پہلے سے زیادہ دلچسپ نظر آتی تھی۔ پہلے ہو محض ایک غلام تھا لیکن اب اسے ایک شخص کے جسم اور جان پر پورا اختیار تھا۔ وہ جب چاہتا ابن صادق کے ساتھ دل بہلا لیتا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ ابن صادق اس کیلئے ایک کھلونا ہے اور اس کھلونے کے ساتھ دل بہلا لیتا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ ابن صادق اس کیلئے ایک کھلونا ہے اور اس کھلونے کے ساتھ کھیلنے ہوئے اس کا جی کبھی سیر نہ ہوتا۔ اس کے بے لطف زندگی میں ابن صادق پہلی اور آخری دلچسپی تھی اُسے اس کے ساتھ چٹھتی یا پیار۔ بہر صورت ہو ہر روز اسے تھپڑ لگانے، اس کی داڑھی نوچنے اور اس کے منہ پر تھوکنے کے لیے کوئی نہ کوئی موقع ضرور نکال لیتا۔ برعکس اپنی موجودگی میں اسے ان حرکات کی اجازت نہ دیتا لیکن جب وہ کھانے کی چیزیں لینے کے لیے بازار جاتا تو زیادہ اپنا جی خوش کر لیتا۔

عبداللہ کے حکم کے مطابق ابن صادق کو اچھے سے اچھا کھانا دیا جاتا۔ اس کا یہ بھی حکم تھا کہ ابن صادق کو کوئی تکلیف نہ دی جائے لیکن زیاد اس حکم کو اتنا ضروری خیال نہ کرتا۔ اگرچہ زیاد عربی زبان سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا لیکن ابن صادق کیساتھ وہ ہمیشہ اپنی مادری زبان میں ہی گفتگو کرتا۔ ابن صادق شروع شروع میں دقت ہوئی لیکن چند مہینوں کے بعد وہ زیاد کی باتیں سمجھنے کے قابل ہو گیا۔

ایک دن برکب بازار سے کھانے پینے کی چیزیں لینے گیا۔ زیاد مکان کے ایک کمرے میں کھڑا لڑکی سے باہر جھانک رہا تھا کہ اسے اپنا ایک ہم نسل ایک گدھے پر سوار شہر سے باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ دیوہیکل حبشی کے بوجھ سے نجیف گدھے کی کمر دوہری ہو رہی تھی۔ گدھا چلتے چلتے لیٹ گیا۔ اور حبشی اس پر کوڑے برسانے لگا۔ گدھا مجبوراً پھر اٹھ ہوا اور حبشی اس پر سوار ہو گیا۔ گدھا تھوڑی دُور چل کر پھر بیٹھ گیا اور حبشی پھر کورے برسانے لگا۔ زیاد دقہہ لگاتا ہوا کمرے سے ایک کوڑا اٹھا کر نیچے اُتر اور ابن صادق کے قید خانے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

ابن صادق زیادہ کو دیکھتے ہی حسب معمول ڈاڑھی نُچوانے اور کوڑے کھانے کے لیے تیار ہو گیا لیکن زیاد اس کی توقع کے خلاف کچھ دیر خاموش کھڑا رہا، بالآخر اس نے آگے جھک کر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیے اور ایک چوپائے کی طرح ہاتھ اور پاؤں کے بل دو تین گز چلنے کے بعد ابن صادق سے کہا۔ آؤ۔

ابن صادق اس کا مطلب نہ سمجھا۔ آج کسی نئی دل لگی کے خوف نے اس بد حواس کر دیا تھا وہ اتنا گھبرایا کہ اس کی پیشانی پر پسینہ آ گیا۔

زیاد نے پھر کہا۔ آؤ مجھ پر سواری کرو!

ابن صادق جانتا تھا کہ اسکے جائز اور ناجائز احکام کی اندھا دھند تعمیل ہی میں بہتری ہے اور اس کی حکم عدولی کی سزا اس کیلئے ناقابل برداشت ہوگی۔ اس لیے ڈرتے ڈرتے زیادتی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ زیادتی نے تہہ خانے کی دیوار کے ساتھ دو تین چکر لگائے اور ابن صادق کو نیچے اتار دیا۔ اس نے زیادتی کو خوش کرنے کے لیے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ آپ بہت طاقتور ہیں!

لیکن زیادتی نے اس کے ان الفاظ پر کوئی توجہ نہ دی اور اٹھتے ہی اپنے ہاتھ جھاڑنے کے بعد ابن صادق کو پکڑ کر نیچے جھکاتے ہوئے کہا۔ اب میری باری ہے۔

ابن صادق کو معلوم تھا کہ وہ اس بھاری بھر کم کے بوجھ تلے دب کر پس جائے گا لیکن اس نے مجبوراً اپنے آپ کو سپرد تقدیر کر دیا ہے۔

زیادتی اپنا کوڑا ہاتھ میں لے کر ابن صادق کی پیٹھ پر سوار ہوا۔ ابن صادق کی کمر دوہر ہو گئی۔ اس کے لیے اس قدر بوجھ لے کر چلنا ناممکن تھا۔ وہ بصد مشکل دو تین قدم اٹھانے کے بعد گر پڑا۔ زیادتی کو کوڑے برسانے شروع کیے یہاں تک کہ ابن صادق بے ہوش ہو گیا۔ زیادتی نے اسے اٹھایا اور دیوار کا سہارا دے کر بٹھا دیا اور خود بھاگتا ہوا باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد قید خانے کا دروازہ پھر کھلا اور زیادتی ایک طشتری میں چند سیب اور انگور لے کر اندر داخل ہوا۔ ابن صادق نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں۔ زیادتی نے اپنے ہاتھ سے چند انگور اس کے منہ میں ڈالے۔ اس کے بعد اس نے اس نے اپنے خنجر کے ساتھ ایک سیب چیرا اور اس میں آدھا ابن صادق کو دیا۔ جب ابن صادق نے اپنا حصہ ختم کر لیا تو زیادتی نے اسے ایک اور سیب کاٹ کر دیا۔

ابن صادق کو معلوم تھا کہ زیادہ کبھی کبھی ضرورت سے زیادہ مہربان بھی ہو جاتا کرتا ہے۔ اس لیے اس نے دوسرا سیب ختم کرنے کے بعد خود ہی تیسرا سیب اٹھالیا۔ زیادہ نے اپنا خنجر سیبوں کے درمیان رکھا ہوا تھا۔ ابن صادق نے قدرے بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے اس کا خنجر اٹھالیا اور سیب کا چھلکا اتارنا شروع کیا۔ زیادہ اس کی ہر حرکت کو غور سے دیکھتا رہا۔ ابن صادق نے خنجر پھرو ہیں رکھ دیا اور بولا۔ یہ چھلکا نقصان دہ ہوتا ہے۔

ہوں۔ زیادہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور ایک سیب اٹھا کر خود بھی ابن صادق کی طرح اس کا چھلکا اُتارنے لگا۔ زیادہ کے ہاتھ پر ایک معمولی سا زخم آگے۔ وہ ہاتھ منہ میں ڈال کر سوچنے لگا۔

لایئے۔ میں اُتار دوں! ابن صادق نے کہا۔

زیادہ نے سر ہلایا اور اپنا سیب اور خنجر اسے دے دیا۔

ابن صادق نے سیب کا چھلکا اُتار کر اسے دیا اور پوچھا۔ اور دکھائیں گے آپ؟

زیادہ نے سر ہلایا اور ابن صادق نے ایک اور سیب اٹھا کر اس کا چھلکا اُتارنا شروع کیا۔ ابن صادق کے ہاتھ میں خنجر تھا اور اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک دفعہ قسمت آزمائی کر کے دیکھ لے لیکن اسے یہ خوف تھا کہ زیادہ اسے حملہ کرنے سے پہلے دبوچ لے گا۔ اس نے کچھ سوچ کر اچانک دروازے کی طرف مڑ کر دیکھا اور پریشان سامنے بنا کر کہا۔ کوئی آ رہا ہے۔ زیادہ نے بھی جلدی سے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ابن صادق نے نظر بچاتے ہی چمکتا ہوا خنجر اس کے سینے

میں قبضے تک گھونپ دیا اور فوراً چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ زیاد غصے سے کانپتا ہوا اٹھا اور دونوں ہاتھ آگے کی طرف بڑھا کر ابن صادق کا گلا دبونے کے لیے آگے بڑھا۔ ابن صادق اس کے مقابلے میں بہت پھرتیلا تھا۔ فوراً بھاگ کر اسکی زر سے باہر نکلا اور تہہ خانے کے دوسرے کونے میں جا کھڑا ہوا۔ زیاد اس کی طرف بڑھا تو وہ تیسرے کونے میں جا پہنچا۔ زیاد نے اسے چاروں طرف گھیرنا چاہا لیکن وہ قابو نہ آیا۔

زیاد کے قدم لحظہ بہ لحظہ ڈھیلے پڑ رہے تھے۔ زخم کا خون تمام کپڑوں کو تر کرنے کے بعد زمیم پر گر رہا تھا۔ طاقت جواب دے چکی تھی۔ وہ سینے کو دونوں ہاتھوں میں دبا کر جھکتے جھکتے زمین پر بیٹھا اور بیٹھتے ہی نیچے لیٹ گیا۔ ابن صادق ایک کونے میں کھڑا کانپ رہا تھا۔ جب اسے تسلی ہوئی کہ وہ مر چکا ہے یا بے ہوش ہو گیا ہے تو آگے بڑھ کر اس کی جیب سے چابی نکالی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

برمک ابھی بازار سے نہیں آیا تھا۔ ابن صادق یہاں سے خلاصی پا کر چند قدم بھاگا لیکن تھوڑی دُور جا کر یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اسے شہر میں کوئی خطرہ نہیں۔ اطمینان سے چلنے لگا اور شہر کے لوگوں سے باہر کی دنیا کے حالات معلوم کرنے کے بعد وہ خلیفہ کو اپنی آپ بیتی سنانے کے لیے رملہ روانہ ہو گیا۔

ابن صادق کی رہائی کے چند دن یہ خبر سُنی گئی کہ خلیفہ نے عبداللہ کو سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیا ہے۔ اور وہ پایہء زنجیر رملہ کی طرف لایا جا رہا ہے۔ ابن صادق کے متعلق یہ خبر مشہور ہوئی کہ اسے سپین میں مفتی اعظم کا عہدہ دے کر بھیجا جا رہا ہے۔

(۲)

۹۹ھ میں سلیمان نے فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے کر قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا لیکن ابھی فتح کی حسرت پوری نہ ہوئی تھی کہ وہ دنیا سے چل بسا اور عمر بن عبد العزیز تخت خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ عمر بن عبد العزیز عادات و خصائل میں بنو امیہ کے تمام خلفاء سے مختلف تھے۔ ان کے عہد خلافت اموی دور حکومت کا روشن ترین زمانہ تھا۔ نئے خلیفہ کا پہلا کام مظلوموں کی داد رسی کرنا تھا۔ بڑے بڑے مجاہدین جو سلیمان بن عبد الممالک کے جذبہ حقارت کا شکار ہو کر قید خانے کی تاریک کوٹھڑیوں میں پڑے ہوئے تھے فوراً رہا کر دیے گئے۔ سخت گیر حاکموں کو معزول کر دیا گیا اور ان کی جگہ نیک دل اور عادل حکام بھیجے گئے۔ عبد اللہ کو جو ابھی تک رملہ کے قید خانے میں محسوس تھا وہاں سے رہا کر کے دوبار خلافت میں بلایا گیا۔ عبد اللہ نے دوبار خلافت میں حاضر ہو کر اپنی رہائی کے لیے شکریہ ادا کیا۔

امیر المومنین نے پوچھا۔ اب تم کہاں جاؤ گے؟

امیر المومنین! مجھے گھر سے نکلے ہوئے بہت دیر ہو گئی ہے۔ میں اب وہاں جاؤں گا۔

میں تمہارے متعلق ایک حکم نافذ کر چکا ہوں۔

امیر المومنین! میں خوشی سے آپ کا حکم کی تعمیل کروں گا۔

عمر ثانی نے ایک کاغذ عبد اللہ کی طرف برہاتے ہوئے کہا۔ میں تمہیں حراسان کو گورنر مقرر کر چکا ہوں۔ تم ایک مہینے کے لیے گھر رہ آجو۔ اس کے بعد فوراً

خراسان پہنچ جاؤ۔

عبداللہ سلام کر کے چند قدم چلا لیکن پھر رُک کر امیر المومنین کی طرف دیکھنے لگا۔

تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟ امیر المومنین نے سوال کیا۔

امیر المومنین! میں اپنے بھائی کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اسے میں نے دمشق کے قید خانے سے نکالنے کی سازش کی تھی۔ وہ بے قصور تھا۔ اگر قصور کچھ تھا تو یہ کہ وہ قتیبہ بن مسلم اور محمد بن قاسم کا دست راست تھا اور اس نے دربار خلافت میں حاضر ہو کر امیر المومنین کو قتیبہ کے قتل کے ارادے سے منع کیا تھا۔

عمر ثانی نے پوچھا۔ تم نعیم بن عبدالرحمن کا ذکر کر رہے ہو؟
ہاں امیر المومنین! وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔

اب وہ کہاں ہے؟

سپین میں۔ میں نے اسے ابو عبید کے پاس بھیج دیا تھا کہ مجھے ڈر ہے کہ پہلے خلیفہ ابن صادق کو وہاں کا مفتی اعظم بنا کر بھیج چکے ہیں اور وہ نعیم کے خون کا پیاسا ہے۔

امیر المومنین نے کہا۔ ابن صادق کے متعلق میں آج ہی والی سپین کو یہ حکم لکھ رہا ہوں کہ اسے پایہء زنجیر دمشق بھیجا جائے اور میں تمہارے بھائی کے متعلق بھی خیال رکھوں گا۔

امیر المومنین! نعیم کے ساتھ اس کا ایک دوست بھی ہے اور وہ بھی آپ کی نظر کرم کا مستحق ہے۔ امیر المومنین کا غذا اٹھا کر والی سپین کے نام خط لکھا اور ایک سپاہی کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

اب آپ خوش ہیں۔ میں نے آپ کے بھائی کو جنوبی پرتگال کا گورنر مقرر کر دیا ہے۔ اور اس کے دوست کو فوج میں اعلیٰ عہدہ دینے کی سفارش کر دی ہے اور اسے صادق کے متعلق بھی لکھ دیا ہے۔

عبداللہ ادب سے سلام کر کے رخصت ہوا۔

(۳)

والی اندلس قرطبہ مقیم تھا۔ وہ جنوبی پرتگال میں ایک نئے جرنیل زبیر کی فتوحات کا حال سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے ابو عبیدہ کے نام خط لکھا اور زبیر سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ نعیم قرطبہ پہنچا اور ولی اندلس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ولی اندلس نے گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا اور اپنے دائیں ہاتھ بٹھالیا۔

والی اندلس نے کہا۔ مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ ابو عبیدہ نے اپنے خط میں آپ کی بہت تعریف کی ہے۔ چند دن ہوئے مجھے یہ خبر ملی تھی کہ شمال کی پہاڑی لوگوں نے بغاوت کر دی ہے۔ میں آپ کو ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ کل تک تیار ہو جائیں گے؟

اگر بغاوت ہے تو مجھے آج ہی جانا چاہیے اور بغاوت کی آگ کو پھیلنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ بہت اچھا میں ابھی امیر عسا کر کو مشورے کے لیے بلاتا ہوں۔

نعیم اور والی اندلس آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ ایک سپاہی نے آ کر کہا۔
مفتی اعظم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

گورنر نے کہا۔ انہیں کہو شریف لے آئیں!

آپ شاید ان سے نہیں ملے۔ اس نے نعیم کو مخاطب کر کے کہا۔ انہیں آئے
ایک ہفتے سے زیادہ نہیں ہوا۔ وہ امیر المومنین کے خاص احباب میں سے معلوم
ہوتے ہیں اور مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ وہ اس منصب کے اہل نہیں۔

اُن کا نام کیا ہے؟

ابن صادق۔ گورنر نے جواب دیا۔

نعیم نے چونک کر پوچھا۔ ابن صادق؟

آپ انہیں جانتے ہیں؟

اتنے میں ابن صادق اندر داخل ہوا اور اسے دیکھتے ہی نعیم کے دل میں خیال
پیدا ہوا کہ کوئی تازہ مصیبت سر پر کھڑی ہے۔

ابن صادق نے بھی اپنے پُرانے حریف کو دیکھا اور ٹھٹھک کر رہ گیا۔

آپ انہیں نہیں جانتے؟ گورنر نے ابن صادق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ان کا نام
زبیر ہے اور ہماری فوف کے بہت بہادر سالار ہیں۔

خوب ابن صادق نے یہ کہہ کر نعیم کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن نعیم نے مصافحہ نہ
کیا۔

شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں آپ کو پُرانا دوست ہوں۔ ابنِ صادق نے کہا۔

نعیم نے ابنِ صادق کی طرف توجہ نہ کی اور گورز سے کہا۔ آپ مجھے اجازت دیں۔

ٹھہریے میں سالار کے نام حکم نامہ لکھ دیتا ہوں۔ وہ آپ کے ساتھ جتنی فوج درکار ہوگی روانہ کر دے گا۔ اور آپ بھی تشریف رکھیں۔ اس نے ابنِ صادق کو ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ابنِ صادق گورز کے قریب بیٹھ گیا اور گورز نے کاغذ پر حکم نامہ لکھ کر نعیم کو دینا چاہا۔

میں دیکھ سکتا ہوں؟ ابنِ صادق نے کہا۔
خوشی سے۔ گورز نے کہا اور کاغذ ابنِ صادق کے ہاتھ میں دے دیا۔

ابنِ صادق نے کاغذ لے کر پڑھا اور گورز کو واپس دیتے ہوئے کہا۔ اب اس شخص کی خدمات کی ضرورت نہیں۔ آپ اسکی جگہ کوئی اور آدمی بھیج دیں۔

گورز نے حیران ہو کر پوچھا۔ آپ کو انکے متعلق کیسا شبہ ہو گیا۔ یہ تو ہماری فوج کے بہترین سالار ہیں۔ لیکن آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یہ امیر المومنین کے بدترین دشمن ہیں اور ان کا نام زیر نہیں نعیم ہے اور یہ دمشق کے قید خانے سے فرار ہو کر یہاں تشریف لائے ہیں۔

کیا یہ سچ ہے؟ گورز نے پریشان ہو کر سوال کیا۔

نعیم خاموش رہا۔

ابن صادق نے کہا۔ آپ کو فوراً اسے گرفتار کر لیں اور آج ہی میری عدالت میں پیش کریں۔ میں ایک سالار کو کسی ثبوت کے بغیر گرفتار نہیں کر سکتا۔ آپ ایک دوسرے کے ساتھ پہلی ہی ملاقات میں اس طرح پیش آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے درمیان کوئی پرانی رنجش ہے اور اس صورت میں اگر یہ مجرم بھی ہوں تو میں ان کا مقدمہ آپ کے سپرد نہیں کروں گا۔

آپ کو معلوم ہونا ہے کہ میں سپین کا عامل ہوں۔

ٹھیک۔ لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ میں سپین کے مفتی اعظم کے علاوہ اور بھی کچھ ہوں۔

نعیم نے کہا۔ یہ نہیں جانتے ہیں بتا دیتا ہوں۔ آپ امیر المومنین کے دوست قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم اور ابن عامر کے قاتل ہیں۔ ترکستان کی بغاوت آپ کی کرم فرمائی کا نتیجہ تھی اور آپ وہ سفاک انسان ہیں جس نے اپنے بھائی اور بھتیجی کے قتل سے بھی دریغ نہیں کیا لیکن اس وقت آپ میرے مجرم ہیں۔ یہ کہہ کر نعیم نے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ نیام سے تلوار نکالی اور اس کی نوک ابن صادق کے سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔ میں نے تمہیں بہت تلاش کیا لیکن تم نہ ملے۔ آج قدرت خود ہی تمہیں یہاں لے آئی۔ تم امیر المومنین کے دوست ہو۔ انہیں تمہارے اس انجام سے صدمہ تو بہت ہوگا لیکن اسلام کا مستقبل مجھے خلفیہ کی خوشی سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ کہہ کر نعیم نے تلوار اوپر اٹھائی۔ ابن صادق بید کی طرح کانپ رہا تھا۔ موت سر پر دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ نعیم نے یہ حالت دیکھ کر تلوار نیچے کر لی اور کہا۔ اس تلوار سے میں سندھ اور ترکستان کے مغرور شہزادوں کی گردنیں اڑا چکا ہوں۔ میں اسے تم ایسے ذلیل اور بُردل انسان کے خون سے تر نہیں کروں گا۔ نعیم نے تلوار

نیام میں ڈال لی اور کمرے میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

ایک فوجی افسر کی مداخلت نے اس سکوت کو توڑ ڈالا۔ اس نے آتے ہی والی سپین کی خدمت میں ایک خط پیش کیا۔ والی سپین نے جلدی سے خط کھولا اور دو تین مرتبہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پڑھنے کے بعد نعیم کی طرف دیکھا اور کہا۔

اگر آپ کا نام زیر نہیں نعیم ہے تو اس خط میں آپ کے متعلق بھی کچھ ارشاد ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے نعیم کی طرف خط بڑھا دیا۔ نعیم نے خط پڑھنا شروع کیا۔

یہ خط امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ نے خط پڑھنا شروع کیا۔

یہ خط امیر المومنین عمر بن العزیزؒ کی طرف سے تھا۔

والی سپین نے تالی بجائی۔ چند سپاہی نمودار ہوئے۔

اسے گرفتار کرلو۔ اُس نے ابن صادق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ابن صادق کو وہم تک بھی نہیں تھا کہ اس کے مقدر کا ستارہ طلوع ہوتے ہی سیاہ بادلوں میں چھپ جائے گا۔

ادھر نعیم جنوبی پر تگال کی طرف گورز کی حیثیت سے جا رہا تھا اور ادھر چند سپاہی ابن صادق کو پایہ زنجیر دمشق کی طرف لے جا رہے تھے۔

چند دنوں بعد نعیم کو معلوم ہوا کہ ابن صادق نے دمشق پہنچنے سے پہلے راستے میں ہی زہر کیا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا ہے۔

نعیم نے عبد اللہ کو خط لکھ کر گھر کی خیریت دریافت کی۔ اس نے خط کا جواب دیر تک نہ آیا۔ نعیم انتظار کرتے کرتے تنگ آ گیا اور تین مہینے کی رخصت پر بصرہ کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ زگس اس کے ہمراہ تھی اس لیے سفر میں دیر لگ گئی۔ گھر پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ عبد اللہ خراسان جا چکا ہے اور عذرا کو بھی ساتھ لے گیا ہے۔ نعیم خراسان جانا چاہتا تھا لیکن سین کے شمال کی طرف اسلامی افواج کی پیش قدمی کی وجہ سے اسے اپنا ارادہ ملتوی کر کے واپس آنا پڑا۔



آخری فرض

وقت دنوں سے مہینوں اور مہینوں سے برسوں میں تبدیل ہو کر گزرتا چلا گیا۔ نعیم کو جنوبی پرنگال کی گورنری پر فائز ہوئے اٹھارہ سال گزر چکے تھے۔ اس کی جوانی بڑھا پے میں تبدیل ہو چکی تھی۔ نرگس کی عمر بھی چالیس برس سے تجاوز کر چکی تھی لیکن اس کے حسین چہرے کی جاذبیت میں کوئی نمایاں تبدیلی نظر نہ آتی تھی۔

عبداللہ نعیم، ان کا بڑا بیٹا اپنی عمر کے پندرہویں برس میں قدم رکھتے ہی سپین کی فوج میں بھرتی ہو چکا تھا۔ تین سال کے اندر اندر اس نے اس قدر شہرت حاصل کر لی تھی کہ نرگس اور نعیم اپنے ہونہار لال پر بجا طور پر فخر کر سکتے تھے۔ دوسرا بیٹا حسین اپنے بڑے بھائی سے آٹھ سال چھوٹا تھا۔

ایک دن حسین بن نعیم مکان کے صحن میں کھڑا لکڑی کے ایک تختے کو ہدف بنا کر تیر اندازی کی مشق کر رہا تھا۔ نرگس اور نیم برآمدے میں کھڑے اپنے لخت جگر کو دیکھ رہے تھے۔ حسین کے چند تیرنشانے پر نہ لگے۔ نعیم مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور حسین کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔ حسین نے تیر چڑھا کر باپ کی طرف دیکھا اور ہدف کا نشانہ کیا۔

بیٹا! تمہارے ہاتھ کانپتے ہیں اور تم گردن ذرا بلند رکھتے ہو!

ابا! جب آپ میری طرح تھے۔ آپ کے ہاتھ نہیں کانپا کرتے تھے؟

بیٹا! جب میں تمہاری عمر میں تھا تو اڑاتے ہوئے پرندوں کو گرا لیا کرتا تھا اور جب میں تم سے چار سال بڑا تھا تو بصرہ کے لڑکوں میں سب سے اچھا تیر انداز مانا

جاتا تھا۔

ابا جان! آپ نشانہ لگا کر دیکھیں۔

نعیم نے اس کے ہاتھ سے کمان لے کر تیر چلایا تو وہ ہدف کے عین درمیان میں جا کر لگا۔ اس کے بعد نعیم اسے نشانہ لگانے کا طریقہ سمجھانے لگا۔ زگس بھی ان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ ایک نوجوان گھوڑا بھگاتا ہوا مکان کے پھاٹک پر آ کر رُکا نوکرنے پھاٹک کھولا۔ سوار گھوڑا نوکرنے کے حوالے کر کے بھاگتا ہوا صحن کے اندر داخل ہوا۔

نعیم نے عبداللہؑ کہہ کر اسے اپنے سینے سے لگایا۔ زگس اپنی نگاہ کی ہر جنبش میں ہزاروں دُعا کیں لیے آگے بڑھی۔ بیٹا تم آگے۔ الحمد للہ! نعیم نے سوال کیا۔ کیا خبر لائے بیٹا؟

ابا جان! عبداللہ بن نعیم نے سر جھکا کر غمگین سا چہرہ بناتے ہوئے کہا۔ کوئی اچھی خبر نہیں۔ فرانس کے معرکے میں ہمیں سخت نقصان اٹھا کر واپس ہونا پڑا۔ ہم سرحدی علاقے فتح کرنے کے بعد مزید پشتقدمی کی تیاری کر رہے تھے کہ ہمیں فرانس کی ایک لاکھ فوج کا سامنا کرنا پڑا۔ ہماری فوج اٹھارہ ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ ہمارے سپہ سالار عقبہ نے قرطبہ سے مدد طلب کی لیکن وہاں سے خبر آئی کہ مراکش میں بغاوت ہو گئی ہے اس لیے فرانس کی طرف زیادہ فوجیں نہیں بھیجی جا سکتیں۔ ہمیں مجبوراً شاہ فرانس کے مقابلے میں صف آرا ہونا پڑا اور ہماری فوج کے نصف سے زیادہ سپاہی میدان میں کام آئے۔

اور اب عقبہ کہاں ہے؟ نعیم نے سوال کیا۔

وہ قرطبہ پہنچ چکا ہے اور عنقریب سراکش کی طرف کوچ کرنے والا ہے۔
 بغاوت کی آگ کے شعلے مراکش سے تیونس تک بلند ہو رہے ہیں۔ بربریوں نے
 تمام مسلمان حکام قتل کر دیے ہیں معلوم ہوا ہے کہ اس بغاوت میں خارجیوں اور
 رومیوں کا ہاتھ ہے۔

نعیم نے کہا۔ عقبہ ایک بہادر سپاہی ہے لیکن قابل سپہ سالار نہیں۔ میں نے
 والی سپین کو لکھا تھا کہ مجھے فوج میں لیا جائے لیکن ہومانٹے نہیں۔

اچھا ابا جان! مجھے اجازت دیجئے۔

اجازت! کہاں جاؤ گے؟ زگس نے پوچھا۔

امی جان! میں فقط آپ کو اور ابا جان کو دیکھنے کیلئے آیا تھا۔ مجھے فوج کے ساتھ
 مراکش جانا ہے۔

اچھا اللہ تمہاری حفاظت کرے۔ نعیم نے کہا۔

اچھا امی۔ خدا حافظ۔ یہ کہہ کر عبداللہ نے حسین کو گلے لگایا اور وہ جس تیزی
 سے آیا تھا اسی طرح گھوڑا دوڑاتا ہوا واپس چلا گیا۔

(۲)

بربریوں کی بغاوت میں مسلمانوں کی ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ انہوں
 نے مسلمان حکام کو موت کی گھاٹ اتارنے کے بعد اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

عقبہ مراکش کے ساحل پر اُترا اور ۲۳ھ میں شام سے کچھ فوجیں اس کی
 اعانت کے لیے پہنچ گئیں۔ مراکش میں ایک گھمسان کا معرکہ ہوا۔ نیم عریاں

بربر یوں کی افواج چاروں طرف سے ایک سیلاب کی طرح نمودار ہوئیں۔ ہسپانیہ اور شام کی افواج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن حریف کی لاتعداد فوج کے سامنے پیش نہ گئی۔ عقبہ اس لڑائی میں شہید ہوا اور مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ بربر یوں نے انہیں گھیر گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا۔

نعیم کا بیٹا عبداللہ دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا بہت دور نکل گیا اور زخمی ہو کر اپنے گھوڑے سے گرنے کو تھا کہ ایک عربی جرنیل نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اپنے گھوڑے پر بٹھالیا اور میدان جنگ سے باہر ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔

ہسپانیہ اور شام کے لشکر کا قریباً تین چوتھائی حصہ قتل ہو چکا تھا۔ رہے سہے سپاہی ایک طرف سمٹنے لگے۔ بربر یوں نے انہیں پسپا ہوتے دیکھ کر کئی میل تک تعاقب کیا۔ شکست خوردہ فوج نے اجزاء میں جا کر دم لیا۔

والی سپین کو جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اس نے ہسپانیہ کے تمام صوبوں سے نئی فوج فراہم کر نیکی کوشش کی اور اس نئے لشکر کی قیادت کیلئے نعیم کو منتخب کیا۔ نعیم کو اپنے بیٹے کے خط سے اس کے زخمی ہونے اور ایک عربی مجاہد کے ایثار سے اسکی جان بچ جانے کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ ۱۲۵ھ میں جب بربری تمام شمالی افریقہ میں مظالم برپا کر رہے تھے۔ نعیم اچانک دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ افریقہ کے ساحل پر اُتر آئے۔ بربری اس کی آمد سے بے خبر تھے۔ نعیم انہیں شکست پر شکست دیتا ہوا مشرق کی طرف بڑھا۔

ادھر الجزائر سے شکست خوردہ افواج نے پیش قدمی کی اور بربر یوں کی دونوں طرف سے سرکوبی ہونے لگی۔ ایک مہینے میں مراکش میں بغاوت کی آگ ٹھنڈی ہو

چکی تھی۔ لیکن افریقہ کے شمال مشرق میں ابھی یہ فتنہ کہیں کہیں جاگ رہا تھا۔ خارجیوں اور بربروں نے مراکش سے پسپا ہو کر تیونس کو اپنا مرکز بنالیا تھا۔ نعیم مراکش کے نظم و نسق میں مصروف تھا۔ اس لیے پشتقدمی نہ کر سکا۔ اس نے فوج کے چیدہ چیدہ افسروں کو اپنے خیمے میں اکٹھا کیا ورا یک پرجوش تقریر کرتے ہوئے کہا تیونس پرحملہ کرنے کے لیے ایک سرفروش جرنیل کی ضرورت ہے۔ آپ میں سے کون ہے جو اس خدمت کا ذمہ لے گا۔ نعیم نے اپنا فقرہ پورا نہ کیا تھا کہ تین جرنیل اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک اس کا پُرانا دوست یوسف تھا۔ دوسرا اس کا نوجوان بیٹا عبداللہ، تیسرے نوجوان کی شکل عبداللہ سے ملتی جلتی تھی لیکن نعیم اس سے ناواقف تھا۔

تمہارا نام کیا ہے؟ نعیم نے سوال کیا۔

میرا نام نعیم ہے۔ نوجوان نے جواب دیا۔

نعیم بن؟

نعیم بن عبداللہ۔ نوجوان نے جواب دیا۔

عبداللہ؟ عبداللہ عبدالرحمن؟ نعیم نے پوچھا۔

جی ہاں۔

نعیم نے آگے بڑھ کر نوجوان کو گلے لگالیا و رکھا۔ تم مجھے جانتے ہو؟

جی ہاں۔ آپ ہمارے سالار ہیں۔

میں اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہوں۔ نعیم نے جوان کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں تمہارا چچا ہوں۔ عبداللہ یہ تمہارا بھائی ہے۔

ابا جان! انہی نے مراکش کی لڑائی میں میری جان بچائی تھی۔

بھائی جان کیسے ہیں؟ نعیم نے سوال کیا۔

انہیں شہید ہوئے دو سال ہو گئے ہیں۔ انہیں ایک خارجی نے قتل کر ڈالا تھا۔

نعیم کے دل پر ایک چرکا لگا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر دُعاے مغفرت کی اور پوچھا۔ تمہاری والدہ؟

وہ اچھی ہیں۔

تمہارے بھائی کتنے ہیں؟

ایک بھائی اور چھوٹی ہم شیرہ ہے۔

نعیم نے باقی افسروں کو رخصت کیا اور انکے چلے جانے کے بعد اپنی کمر سے تلوار کھول کر نعیم بن عبداللہ کو دیتے ہوئے کہا۔ تم اس امانت کے حقدار ہو اور تم یہیں رہو۔ میں خود تیونس کی طرف جاؤں گا۔

چچا جان۔ آپ مجھے کیوں نہیں بھیجتے؟

بیٹا! تم جوان ہو۔ دُنیا کو تمہاری ضرورت پڑے گی۔ آج سے تم یہاں کی افواج کے سپہ سالار ہو۔ عبداللہ یہ تمہارے بڑے بھائی ہیں۔ ان کا حکم دل و جان سے بجا لانا۔

نعیم بن عبد اللہ نے کہا۔ چچا جان میں آپ کو کچھ کہنا چاہتا ہوں
کہو بیٹا۔

آپ گھر نہیں جائیں گے؟

بیٹا! تیونس کی مہم کے بعد فوراً وہاں جاؤں گا۔

چچا جان۔ آپ ضرور جائیں۔ امی جان اکثر آپ کا تذکرہ کیا کرتی ہیں۔
میری چھوٹی بہن اور بھائی بھی آپ کو بہت یاد کیا کرتے ہیں۔
نہیں معلوم ہے کہ میں زندہ ہوں؟

امی جان کو یقین تھا کہ آپ زندہ ہیں۔ انہوں نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں
مراکش کی مہم کے بعد آپ کو پسین جا کر تلاش کروں اور آپ سے یہ کہوں کہ آپ چچی
کے ہمراہ گھر تشریف لائیں۔

میں بہت جلد وہاں پہنچ جاؤں گا۔ عبد اللہ تم اندلس جاؤ اور اپنی والدہ کو لے کر
بہت جلد گھر پہنچ جاؤ۔ میں تیونس سے فراغت پاتے ہی آ جاؤں گا۔ میں والی اندلس
کو خط لکھ دیتا ہوں۔ وہ تمہارے لیے بحری سفر کا انتظام کر دے گا۔

(۳)

تیونس میں باغیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے نعیم کو اپنی توقع کی خلاف بہت سی
مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بربری ایک جگہ شکست کھا کر بھاگتے تھے اور دوسری جگہ
لوٹ مار شروع کر دیتے تھے۔ نعیم چند مہینوں میں کئی جنگیں لڑنے کے بعد تیونس کی
بغاوت کرنے میں کامیاب ہوا۔ تیونس سے باغی جماعتیں پسپا ہو کر مشرق کی طرف

پھیل گئیں۔ نعیم باغیوں کی سرکوبی کا تہیہ کر کے آگے بڑھتا گیا۔ تیونس اور قیروان کے درمیان باغی جماعتوں نے کئی بار نعیم کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ قیروان کے قریب آخری جنگ میں نعیم بُری طرح زخمی ہوا۔ وہ بیہوشی کی حالت میں قیرون لایا گیا او وہاں کے حامل نے اسے اپنے پاس ٹھہرایا اور اس کے علاج کے لیے ایک تجربہ کار طبیب بلا بھیجا۔ نعیم کو دیر کے بعد ہوش آیا لیکن بہت زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ اس قدر کمزور ہو چکا تھا کہ اسے دن میں کئی بار غش آتا تھا۔ ایک ہفتے تک نعیم موت و حیات کی کش مکش میں بستر پر پڑا رہا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر والی قیروان نے فطاط سے ایک مشہور طبیب کو بلا بھیجا۔ طبیب نے نعیم کے زخم دیکھ کر اسے تسلی دی لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ نہیں دیر تک آرام کرنا پڑھے گا۔

تین ہفتوں کے بعد نعیم کی حالت قدرے افاقہ ہوا اور اس نے گھر جانے کی خواہش ظاہر کی لیکن طبیب نے کہا۔ زخم ابھی تک اچھے نہیں ہوئے۔ سفر میں ان کے دوبارہ پھٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے آپ کو کم از کم ایک مہینہ اور زیرِ علاج رہنا چاہیے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ زخم زہر آلود ہتھیاروں سے لگے ہیں اور ممکن ہے کہ خون کی خرابی سے پھر ایک بار بگڑ جائیں۔

نعیم نے ایک ہفتہ اور صبر کیا لیکن گھر جانے کیلئے اس کی بیقراری میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتے گزاردیتا۔ جی میں آتی کہ ایک بار اڑ کر اس جنتِ ارضی میں پہنچ جائے۔

اسے یقین تھا کہ زگس وہاں پہنچ چکی ہوگی اور عذرا کے ساتھ ریت کے ٹیلوں پر کھڑی اسکی راہ دیکھتی ہوگی۔ بیس دن اور گزر جانے پر اس کے زخم جو کسی حد تک اچھے ہو چکے تھے۔ بگڑنے لگے اور ہلکا ہلکا بخار آنے لگا۔ طبیب نے اسے بتایا کہ تمام

زہر آلود ہتھیاروں کا اثر ہے۔ زہر اس کے رگ وریشے میں سرایت کر گیا ہے اور اسے کافی دیر تک یہاں ٹھہر کر علاج کرنا پڑے گا۔

ایک روز آدھی رات کے قریب نعیم اپنے بستر پر لیٹا ہوا سوچ رہا تھا کہ وہ گھر پہنچ کر عذرا کو کس حالت میں دیکھے گا۔ وقت نے اس کے معصوم چہرے پر کیا کیا تغیرات پیدا کر دیے ہوں گے۔ اس کے مغموم صورت دیکھنے پر اس کے دل کی کیا کیفیت ہوگی۔ اسے یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ شاید قدرت کو اب بھی اس کا گھر جانا منظور نہیں۔ وہ پہلے بھی کئی بار زخمی ہوا تھا لیکن ان زخموں کی کیفیت کچھ اور تھی۔ اُس نے اپنے دل میں کہا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ زخم مجھے موت کی آغوش میں لے جائیں۔ لیکن مجھے زگس اور عذرا سے بہت کچھ کہنا ہے۔ اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو چند وصیتیں کرنی ہیں۔ مجھے موت کا ڈر نہیں۔ مجھے عذرا نے گھر آنے کا پیغام بھیجا ہے۔۔۔۔۔۔ وہ عذرا جس کی معمولی خوشی کے لیے میں کبھی جان پر کھیل جانا آسان سمجھتا تھا اور اس کے علاوہ زگس کے دل کی کیا حالت ہوگی؟ میں ضرور جاؤں گا۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔

نعیم یہ کہتا ہوا بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ مجاہد کا عزم جسمانی کمزوری پر غالب آنے لگا اور وہ عمل کے ایک بے پناہ جذبے سے بے تاب ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ بھول چکا تھا کہ وہ زخمی ہے اور اسکی جسمانی حالت ایک لمبا سفر اختیار کرنے کے قابل نہیں۔ اس وقت اسکے دماغ میں فقط زگس، عذرا، عبداللہ کے کمسن بچے اور بستی کے حسین نخلستانوں کو تصور تھا۔ میں ضرور جاؤں گا۔ یہ اس کا آخری فیصلہ تھا۔

وہ اچانک کمرے میں ٹہلتا ٹہلتا رُک گیا۔ اس نے اپنے میزبان کے نوکر کو آواز دی۔ نوکر بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور نعیم کو بستر پر دیکھنے کی بجائے

کمرے میں چکر لگاتا دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے کہا۔ طبیب کا حکم ہے کہ آپ چلنے پھرنے سے گریز کریں۔

تم میرا گھوڑا تیار کرو۔ جاؤ!

آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟

تم گھوڑا تیار کرو!

لیکن اس وقت؟

فوراً! نعیم نے سختی سے کہا۔

رات کے وقت آپ کہاں جائیں گے؟

تمہیں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کرو۔ فضول سوالات کا جواب میرے پاس نہیں!

نو کر گھبرا کر کمرے سے باہر نکلا۔

نعیم پھر بستر پر بیٹھ کر خیالات کی دنیا میں کھو گیا۔

تھوڑی دیر بعد نو کرواپس آیا اور بولا۔ گھوڑا تیار ہے لیکن۔۔۔!

نعیم نے بات کاٹ کر جواب دیا۔ تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو۔ میں جانتا ہوں۔

مجھے ایک ضروری کام ہے۔ اپنے مالک سے کہنا کہ میں نے اجازت حاصل کرنے

کیلئے انہیں رات کے وقت جگانا مناسب خیال نہیں کیا۔

(۴)

صبح ہونے سے پہلے قیروان سے کوئی دو منازل آگے جا چکا تھا۔ اس لمبے سفر میں اس نے یہ احتیاط ضرور برتی کہ گھوڑے کو تیز نہ کیا اور تھوڑی تھوڑی منازل کے بعد آرام کرتا تھا۔ فسطاط پہنچ کر اس نے دو دن قیام کیا۔ وہاں کے گورنر نے پہلے تو نعیم کو اپنے پاس ٹھہرانے کے لیے اصرار کیا لیکن جب نعیم کسی صورت میں بھی رضا مند نہ ہوا تو اس نے راستے کی تمام چوکیں کو اس کی آمد سے مطلع کرتے ہوئے اس کے لیے ہر ممکن سہولت مہیا کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

نعیم جوں جوں منزل مقصود کے نزدیک پہنچ رہا تھا اسے اپنی جسمانی تکلیف میں افاقہ محسوس ہو رہا تھا۔ کئی دنوں کے بعد ایک شام وہ ایک صحرائی خطے میں سے گزر رہا تھا۔ اس کی بستی فقط چند کوس کے فاصلے پر تھی۔ ہر نئے قدم پر نئی امنگیں بیدار ہو رہی۔ اس کا دل مسرت کے سمندر میں غوطے لگا رہا تھا۔ اچانک اُفق مغرب پر ایک غبار سا اُٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ ایک ساعت کے اندر اندر یہ غبار چاروں طرف پھیل گیا اور فضا میں تاریکی چھا گئی۔ نعیم ریگستان کے طوفانوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ طوفان کی مصیبت میں مبتلا ہونے سے پہلے گھر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی اور ہوا کا پہلا جھوٹا محسوس کرتے ہی اسے سر پٹ چھوڑ دیا۔ ہوا کی تیزی اور فضا کی تاریکی بڑھتی گئی۔ گھوڑا بھگانے کی وجہ سے نعیم کے سینے کے زخم پھٹ گئے اور خون بہنے لگا۔ اس نے اس حالت میں کوئی دو کوس فاصلہ طے کیا ہوگا کہ طوفان نے اسے پوری طاقت کے ساتھ آگھیرا۔ چاروں طرف سے جھلستی ہوئی ریت برسنے لگی۔ گھوڑا آگے نہ بڑھنے کا راستہ نہ پا کر رُک گیا نعیم مجبوراً گھوڑے سے اُترا اور ہوا کے مخالف پیٹھ کر کے کھڑا ہو گیا۔ گھوڑا بھی اپنی مالک کی طرح سر نیچا کیے کھڑا تھا۔ نعیم نے اپنے چہرے کو جھلستی ہوئی ریت سے بچانے کے

لیے نقاب اوڑھ لیا۔ کانٹے دار جھاڑیاں ہوا میں اُڑتی ہوئی آئیں اور اس کے جسم میں کانٹے پیوست کرتی ہوئی گزر جائیں۔ نعیم ایک ہاتھ سے گھوڑے کی باگ تھامے، دوسرے ہاتھ سے اپنے دامن سے چمٹی ہوئی خاردار ٹہنیوں کو جدا کر رہا تھا۔ گھوڑے کی باگ پر اس کے ہاتھ کر گرفت قدرے ڈھیلی تھی۔ ہول کی ایک خشک ٹہنی اُرتی ہوئی گھوڑے کی پیٹھ پر زور سے آ کر لگی۔ گھوڑے نے بدحواس ہو کر ایک جست لگائی اور نعیم کے ہاتھ سے باگ پھڑا کر کچھ دور جا کھڑا ہوا۔ ایک اور ٹہنی گھوڑے کے کانوں میں کانٹے پیوست کرتی ہوئی گزر گئی اور وہ بدحواس ہو کر ایک طرف بھاگ نکلا۔ نعیم دیر تک اس جگہ بے بسی کی حالت میں کھڑا رہا۔ سینے کا زخم پھٹ جانے سے خون کے قطرے آہستہ آہستہ بہہ کر اس کے گریبان کو تر کر رہے تھے۔ اور اسکی جسمانی طاقت لحظہ بہ لحظہ جواب دے رہی تھی۔ وہ مجبوراً ریت پر بیٹھ گیا۔ کبھی کبھی وہ ریت کے اس بے پناہ سیلاب میں دب جانے کے خوف سے اُٹھ کر کپڑے جھاڑتا اور پھر بیٹھ جاتا۔ کچھ دیر رات کی سیاہی طوفان کی تاریکی میں اضافہ کرنے لگی۔ ایک پہر سے زیادہ رات گزر جانے پر ہوا کا زور ختم ہوا۔ آہستہ آہستہ مطلع صاف ہو گیا اور آسمان پر جگمگاتے ہوئے ستارے نظر آنے لگے۔

نعیم اپنی بستی سے آٹھ کوس دُور تھا۔ اس کا گھوڑا ہاتھ سے جا چکا تھا اور ٹانگوں میں چلنے کی طاقت نہ تھی۔ وہ پیاس محسوس کر رہا تھا۔ اسے خیال گزرا کہ اگر صبح ہونے سے پہلے وہ ریت کے اس سمندر کو عبور کر کے محفوظ مقام پر پہنچ گیا تو دن کی دھوپ میں اسے تڑپ تڑپ کر جان دینی پڑے گی۔

وہ ستاروں کی سمت کا اندازہ لگاتے ہوئے پیدل چل دیا۔ ایک کوس چلنے کے بعد اس کی طاقت نے جواب دے دیا اور وہ مایوس ہو کر ریت پر لیٹ گیا۔ منزل

سے اتنا قریب آ کر ہمت ہر دینا مجاہد کے عزم و استقلال کے منافی تھا۔ وہ ایک بار پھر لڑکھڑاتا ہوا اُٹھا اور منزل مقصود کی طرف قدم اُٹھانے لگا۔ ریت میں گھٹنوں تک اس کے پاؤں دھنسے جا رہے تھے۔ وہ چلتے چلتے تین بار گرا لیکن پھر اسی عزم کے ساتھ اُٹھا اور آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ پیاس کی شدت سے اس کا گلہ خشک ہو رہا تھا اور کمزوری سے اس کی آنکھوں کے سامنے سیاہی طاری ہو رہی تھی۔ سر چکر رہا تھا۔ بستی ابھی چار کوس دور تھی۔ اسے معلوم تھا کہ بستی کی طرف جانے والی ندی یہاں سے قریب ہے۔ اس نے ڈمگاتے گرتے اور سنبھلتے ایک کوس اور طے کیا تو ایک چھوٹی سے ندی دکھائی دی۔

ندی کا پانی طوفان کے گرد و غبار سے گدلا ہو رہا تھا اور سطح پر جھاڑیوں کی بیشمار ٹہنیاں تیر رہی تھیں۔ نعیم نے جی بھر کر ندی سے پانی پیا۔ کچھ دیر ندی کے کنارے لیٹنے کے بعد دل کو کچھ تقویت محسوس ہوئی اور وہ اُٹھ کر چل دیا۔

ندی کو عبور کرتے ہی بستی کے ارد گرد نخلستان دکھائی دینے لگے۔ نعیم کے دل سے تھکاوٹ اور جسمانی کمزوری کا احساس کم ہونے لگا اور ہر قدم پر اس کی رفتار زیادہ ہونے لگی۔ چند ساعتوں کے بعد وہ ریت کے اس ٹیلے کو عبور کر رہا تھا جس پر بچپن میں وہ اور عذرا کھیلا کرتے تھے اور ریت کے چھوٹے چھوٹے گھر تعمیر کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ کھجور کے بلند درختوں میں سے گزرتا ہوا اپنے مکان کی طرف بڑھا۔ دروازے پر کچھ دیر دھڑکتے ہوئے دل کو دوبائے کھڑا رہا۔ بالآخر اس نے ہمت کر کے دروازہ کھٹکھٹایا۔ گھر والے ایک دوسرے کو جگانے لگے۔ ایک نوجوان لڑکی نے آ کر دروازہ کھولا۔ نعیم نے نوجوان لڑکی کو متحیر ہو کر دیکھنے لگا۔ اس کی شکل ہو بہو عذرا جیسی تھی۔ لڑکی نعیم کو دیکھ کر کچھ کہے بغیر واپس اندر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد اس کا بیٹا عبداللہ اور زرگس نعیم کے استقبال کے لیے آمو جوہ ہوئے۔
عذرا، عبداللہ اور زرگس کے پیچھے جھکتی ہوئی آرہی تھی۔

نعیم نے چاند کی روشنی میں دیکھا کہ کائنات حُسن کی ملکہ شباب اگرچہ گردشِ ایام ک نذر ہو چکا تھا لیکن ابھی تک اس کے پڑمردہ چہرے پر ایک غیر معمولی رعب اور وقار کی جھلک باقی تھی۔

بہن! نعیم نے ایک دردناک لہجے میں کہا۔

بھائی! عذرا نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔

زرگس نے آگے بڑھ کر غور سے نعیم کو دیکھا اور اس کی قمیض پر خون کے نشان دیکھ کر گھبرا گئی اور کہا۔ آپ زخمی ہیں؟
زخمی! عذرا نے خوف زدہ چہرہ بنا کر کہا۔

وہ جسمانی طاقت جسے نعیم نے محض اپنے عزم کی بدولت ابھی تک قائم رکھا ہوا تھا، یکنخت جواب دے گئی۔

اس نے کہا۔ عبداللہ! بیٹا مجھے سہارا دینا!

عبداللہ اسے سہار دے کر اندر لے گیا۔

صبح کے وقت نعیم بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ زرگس، عذرا، عبداللہ بن نعیم، حسین بن نعیم، خال عذرا کا چھوٹا لڑکا اور آمنہ عذرا کی لڑکی اس کے گرد کھڑے تھے۔ نعیم نے آنکھیں کھولیں۔ سب پر نگاہ دوڑائی اور اشارے سے خالد اور آمنہ کو بلا کر اپنے

پاس بٹھالیا۔

بیٹا تمہارا نام کیا ہے؟

خالد چچا جان۔

اور تمہارا؟ لڑکی کی طرف دیکھ کر نعیم نے سوال کیا۔

آمنہ۔ اس نے جواب دیا۔

خالد کی عمر سترہ سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی اور آمنہ اپنی شکل و شباهت سے چودہ پندرہ برس کی معلوم ہوتی تھی۔

نعیم نے خالد کی طرف دیکھ کر کہا۔ بیٹا مجھے قرآن سناؤ!

خالد نے پانے شیریں آواز میں سورہ یسین کی تلاوت شروع کی۔

دوسرے دن پھٹے ہوئے زخم زیادہ تکلیف دینے لگے اور نعیم کو سخت بخار ہو گیا۔ سینے کے زخم سے خون برابر جاری تھا۔ خون کی کمی کی وجہ سے اسے غش پہ غش آنے لگے۔ ایک ہفتے تک اس کی یہی حالت رہی عبد اللہ بصرہ سے ایک طبیب لے آیا۔ وہ مرہم پٹی کر کے چلا گیا مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

ایک دن نعیم نے خالد سے پوچھا۔ بیٹا! تم ابھی تک جہاد پر نہیں گئے؟

چچا جان! میں رخصت پر آیا تھا۔ اُس نے جواب دیا اور اب جانے والا تھا۔

کہ۔۔۔!

تم جانے والے تھے تو گئے کیوں نہیں؟

چچا جان! آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر!-----!

بیٹا! جہاد کیلئے ایک مسلمان کو دنیا کی عزیز ترین چیزوں سے مجد اہونا پڑتا ہے۔
تم میری فکر نہ کرو۔ اپنا فرض پورا کرو۔ تمہاری والدہ نے تمہیں یہ سبق نہیں دیا کہ جہاد
مسلمان کا سب سے اہم فرض ہے؟

چچا جان! امی جان ہمیں بچپن ہی سے یہ سبق دیتی رہی ہیں۔ میں صرف چند دن آپ کی تیمارداری کیلئے ٹھہر گیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر میں آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر چلا گیا تو آپ شاید خفا ہو جائیں گے۔

میری خوشی اسی بات میں ہے جس میں میرے مولیٰ کو خوشی ہو۔ جاوے عبد اللہ کو

خالد دوسرے کمرے سے عبداللہ کو بلا لایا۔

نعیم نے سوال کیا۔ بیٹا تمہاری رخصت ابھی ختم نہیں ہوئی؟

اباجان! میری رخصت ختم ہوئے یا بچ دن ہو چکے ہیں۔

تم گئے کیوں نہیں بیٹا؟

ابا جان! میں آپ کے حکم کا انتظار کر رہا تھا۔

نعیم نے کہا۔ خُدا اور خُدا کے رسولؐ کے حکم کے بعد تمہیں کسی کے حکم کی ضرورت نہیں بیٹا جوا۔!

ابا جان! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

میں اچھا ہوں بیٹا! نعیم نے اپنے چہرے کو بٹاش بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تم جاؤ! ابا جان! ہم تیار ہیں۔

(۵)

خالد اور عبداللہ اپنے اپنے گھوڑوں پر زین ڈال رہے تھے۔ دونوں کی مائیں ان کے قریب کھڑی تھیں۔ نعیم نے اپنے بھتیجے اور بیٹے کو جہاد پر رخصت ہوتے ہوئے دیکھنے کے لیے اپنے کمرے کا دروازہ کھلا رکھنے کا حکم دیا۔ وہ بستر پر لیٹے لیٹے صحن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آمنہ نے پہلے اپنے بھائی خالد اور پھر شرماتے ہوئے عبداللہ کی کمر میں تلوار باندھ دی۔ نعیم نے اٹھ کر کمرے سے باہر نکلنا چاہا لیکن دو تین قدم چلنے کے بعد چکر آیا اور گر پڑا۔ عبداللہ اور خالد اسے اٹھانے کے لیے بھاگے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی نعیم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اُس نے کہا۔ میں ٹھیک ہوں۔ مجھے پانی دو!

آمنہ نے پانی کا پیالہ لا کر دیا۔ نعیم پانی پی کر صحن میں آکھڑا ہوا۔

بیٹا! میں تمہیں گھوڑوں کو بھگاتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم جلدی سے سوار ہو جاؤ!

خالد اور عبداللہ سوار ہر کر گھر کے احاطے سے باہر نکلے۔ نعیم بھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا مکان سے باہر نکل آیا۔

زرگس نے کہا۔ آپ آرام کریں۔ آپ کے لیے بستر سے اٹھنا مناسب نہیں۔ نعیم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ زرگس! میں اچھا ہوں۔ فکر مت کرو۔

نخلستان سے باہر نکل کر خالد اور عبداللہ نے خدا حافظ کہہ کر گھوڑوں کو سر پٹ چھوڑ دیا۔ نعیم انہیں دیکھنے کے لیے ریت کے ٹیلے پر چڑھا۔ زگس اور عذرا نے اسے منع کیا لیکن نعیم نے پروا نہ کی۔ اس لیے وہ بھی نعیم کے ساتھ ٹیلے پر چڑھ گئیں۔ جب تک کم سن مجاہدوں کی آخری جھلک نظر آتی رہی نعیم وہیں کھڑا رہا اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو زمین پر بیٹھ کر سربسجود ہو گیا۔

جب نعیم کو سربسجود ہوئے بہت دیر ہو گئی تو عذرا گھبرا کر اس کے قریب آئی اور سہمی ہوئی آواز میں اسے بھائی کہہ کر پکارا۔ جب نعیم نے اس کی آواز پر سر نہ اٹھایا تو زگس نے خوف زدہ ہو کر نعیم کے بازو کو پکڑ کر ہلایا۔ نعیم کے جسم نے حرکت نہ کی۔ زگس نے اس کا سر اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور بے اختیار ہو کر کہا:

میرے آقا! میرے آقا!

عذرا نے نبض دیکھ کر آمنہ سے کہا۔ بیٹی! یہ بیہوش ہیں۔ جاؤ جلدی سے پانی

لاؤ!

آمنہ بھاگی کر گئی اور تھوڑی دیر میں گھر سے پانی کا ایک پیالہ بھر لائی۔ عذرا نے نعیم کے منہ پر پانی چھڑکا۔ نعیم نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھول دیں اور پیالہ منہ سے لگایا۔

عذرا نے کہا۔ حسین بیٹا! جاؤ اور بستی سے چند آدمیوں کو بلا لاؤ تاکہ انہیں گھر لے چلیں۔

نعیم نے کہا نہیں نہیں ٹھہرو۔ میں چل سکوں گا۔

